فہرست

شذرات	خودکشیوں کے تجزیے	محمد بلال	۲
	ہدف اور نتیجہ		
قرآنیات	البقرہ (۲: ۱۴۳-۱۴۷)	جاوید احمد غامدی	۷
معارفِ نبوی	جن اور فرشتہ۔ شیطان اور انسان	طالب محسن	۱۱
دین و دانش	قانون جہاد (۳)	جاوید احمد غامدی	۱۷
	سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور علوم نبوت	ابوسلمان سراج الاسلام حنیف	۲۴
یسئلون	متفرق سوالات	طالب محسن	۳۳
مکاتیب	مکتوب ۱	ملک میاں محمد / جاوید احمد غامدی	۴۵
	مکتوب ۲	ابوسفیان اصلاحی / جاوید احمد غامدی	۴۶
	مکتوب ۳	عتیق الرحمن / جاوید احمد غامدی	۴۸
	مکتوب ۴	رعیت علی / جاوید احمد غامدی	۵۰
نقطۂ نظر	حیات طیبہ کا صحیح مفہوم	محمد وسیم اختر مفتی	۵۳
	فوج کے نادان دوست	سلیم صافی	۶۲
ادبیات	غزل	جاوید احمد غامدی	۶۵

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

خودکشیوں کے تجزیے

پچھلے دنوں انصاف نہ ملنے پر ایک اعلیٰ عدالت میں ایک خاتون سندس فاروق نے خودسوزی کرنے کی کوشش کی۔ اسی طرح لاہور ہائی کورٹ نے ایک مفرور ملزم کے رشتے داروں کو بے جا پریشان کرنے کے خلاف ایک درخواست کا نوٹس لیتے ہوئے اپنے ریمارکس میں کہا ہے کہ کسی ملزم کو گرفتار کرنا پولیس کی ذمہ داری ہے۔ اس کے رشتے داروں پر دباؤ نہیں ڈالا جا سکتا کیونکہ کسی بھی شخص کے جرم کی سزا دوسرے کو نہیں دی جا سکتی۔

اس میں شبہ نہیں کہ اعلیٰ عدالتیں ایسے معاملات میں اس نوعیت کے ریمارکس پہلے بھی کئی مرتبہ دے چکی ہیں، مگر پولیس کی زیادتیوں کا سلسلہ جوں کا توں قائم ہے۔ اس صورتِ حال پر ایک دانش ور نے لکھا ہے:

''اگر ساڑھے تین لاکھ اہلکاروں کی پولیس فورس اور سینکڑوں ہزاروں وکیلوں اور ججوں کی جوڈیشل فورس مل کر سندس فاروق جیسے مظلوموں کو انصاف نہیں دے سکتی تو کم از کم یہ ادارے مل کر ان مظلوموں کو ایک ایک پستول اور مٹی کے تیل کی ایک ایک بوتل ہی دے دیں کہ جو مظلوم آگے بڑھ کر اپنا حق وصول کر سکتے ہیں، وہ کر لیں اور جو اس کی اہلیت نہیں رکھتے وہ کسی کونے، کسی گوشے میں بیٹھ کر اپنے اوپر تیل چھڑکیں اور چپ چاپ جل مریں، اگر آپ کسی حق دار کو حق نہیں دے سکتے تو آپ اس کو مرنے کا حق تو دیں۔'' (جنگ ۹ دسمبر ۲۰۰۰)

اس سے انکار نہیں کہ ہمارے ہاں عدالتوں میں حصولِ انصاف کے ناقص انتظام اور پولیس کے ظلم کے مسائل بہت سنگین صورت اختیار کر چکے ہیں، مگر ضروری ہے کہ اس صورتِ حال کی حکمت اور دانائی کے ساتھ اصلاح کرنے کی کوشش کی جائے اور اس معاملے میں جذباتیت سے گریز کیا جائے۔ لوگوں کو اسلحہ پکڑنے، قانون اپنے ہاتھ میں لینے کی ترغیب دینا مسئلے کا حل نہیں، بلکہ مزید اور سنگین تر مسائل پیدا کرنے کی غیر شعوری کوشش ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اسی طرح ہم نے دیکھا ہے کہ حالات کی سختی سے تنگ آ کر خودکشی کرنے والوں کے بارے میں ہمارے دانش ور جب لکھتے ہیں تو خودکشی کرنے والوں کی حمایت کرتے، ان سے ہمدردی کا اظہار کرتے، ملکی نظام کو کوستے اور حکومت کو برا بھلا کہتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ایک غیر متوازن رویہ ہے۔ ضروری ہے کہ ایسے موقعوں پر خودکشی کرنے اور ایسی کوشش کرنے والوں پر بھی تنقید کی جائے، ان کی بزدلانہ روش کی ملامت کی جائے اور حالات کا مردانہ وار مقابلہ نہ کرنے پر مذمت کی جائے۔

اگر نبیوں کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ان کے اوپر بے پناہ ظلم ڈھائے گئے، ان کے ساتھیوں کی زندگی اجیرن کر دی گئی، مگر انھوں نے صبر کیا اور اپنے ساتھیوں کو بھی صبر کرنے کی تلقین کی، حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی نصیحت کی، زندہ رہ کر زندگی کے مسائل سے نبرد آزما ہونے کی تعلیم دی اور آخرت کی جزا و سزا کی تذکیر کی۔

یہ بات بڑے وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ جو لوگ خودکشی کرتے ہیں وہ لازمی طور پر دینی شعور سے عاری ہوتے ہیں۔ اگر وہ اس شعور سے بہرہ یاب ہوں تو کبھی خودکشی جیسی بزدلانہ حرکت نہ کریں۔ کیونکہ اگر وہ دینی شعور سے بہرہ یاب ہوتے تو ان پر یہ حقیقت بالکل واضح ہوتی کہ یہ دنیا ایک آزمایش گاہ ہے۔ اس دنیا میں مصیبتیں اور تکلیفیں آنی ہی ہیں۔ یہ خدا کی اسکیم کا لازمی حصہ ہیں۔ اسی طرح انھیں یہ بھی معلوم ہوتا کہ یہ دنیا جزا اور سزا کے اصول پر نہیں چل رہی۔ اس وقت خدا نے سب کو ڈھیل دے رکھی ہے، اس لیے یہاں کبھی کامل عدل وجود میں نہیں آنا۔ کبھی ہر ظالم کو سزا نہیں ملنی۔ کبھی ہر مظلوم کی مکمل تلافی نہیں ہونی۔ یہ سب مسائل آخرت میں حل ہوں گے۔ کامل عدل روزِ عدل ہی میں وجود میں آئے گا۔ ظالم کو اس کے ہر ظلم کی سزا قیامت ہی میں ملے گی۔ مظلوم کی مکمل تلافی خدا ہی کے ہاتھوں سے ہو گی۔

چنانچہ دینی شعور کے حامل لوگ دین اور ملکی قانون کے حدود میں رہ کر ظالم کو سزا دینے کی کوشش کرتے ہیں، اپنا حق حاصل کرنے کی سعی کرتے ہیں، مگر اس کوشش میں ناکام ہونے کی صورت میں ڈپریشن کا شکار نہیں ہوتے۔ ہمت نہیں ہارتے۔ بزدلی کا مظاہرہ نہیں کرتے۔ وہ روزِ عدل پر اپنے ایمان پر قائم رہتے ہیں اور زندہ رہ کر زندگی کے مسائل حل کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

کاش! ہمارے دانش ور حضرات مسائل کے حل کے لیے عالم کے پروردگار کی اتاری ہوئی ہدایت سے استفادہ کرنا شروع کر دیں۔ کاش! ان لوگوں کی سمجھ میں یہ بات آ جائے کہ خالق کو نظر انداز کر کے مخلوق کے

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

مسائل حل نہیں کیے جا سکتے۔ کاش! مسائل و مصائب میں پیغمبروں نے جو طریقہ اختیار کیا، وہ اسے عام کرنے کا سلسلہ شروع کر دیں تو ہمارے مسائل میں کچھ کمی ہو سکتی ہے۔ بصورتِ دیگر امکان ہے کہ ان لوگوں کے تجزیوں کے باعث مسائل کی تعداد میں بھی اضافہ ہوگا اور ان کی سنگینی میں بھی۔

——— محمد بلال

ہدف اور نتیجہ

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

تنظیم الاخوان کے امیر مولانا محمد اکرم اعوان نے پاکستان میں نفاذِ دین کے لیے اپنے معتقدین کو خواتین اور بچوں سمیت تیاری کا حکم دے دیا ہے۔

انھوں نے کہا ہے:

''میں عنقریب کال دینے والا ہوں۔ دنیا بھر سے، ملک بھر سے ہمارے جاں باز ساتھی آئیں گے۔ پھر ہر جگہ ہم ہوں گے۔ ہم دیکھیں گے کہ ہمیں کون روکے گا؟ ہمارا جینا مرنا اسلام کے لیے ہے۔

ہمارا مطالبہ صرف یہ ہے کہ ہمیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نظام کی برکات سے محروم نہ رکھا جائے۔ ہمیں سودی نظامِ معیشت سے نجات دلا کر اسلامی نظامِ معیشت دیا جائے۔ طبقاتی نظامِ تعلیم ختم کر کے پورے ملک میں یکساں نصاب اور یکساں نظامِ تعلیم رائج کیا جائے۔......صدر آرڈیننس جاری کریں کہ پاکستان میں قرآن وسنت ہی واحد قانون ہے اور باقی قوانین کالعدم قرار دیے جائیں۔''

انھوں نے مزید کہا ہے:

''لوگ گھروں سے نکلیں اور ایک مقام پر خیمہ زن ہو جائیں۔ وہ یہ سوچ کر آئیں کہ واپسی کا کوئی راستہ کھلا نہیں ......میرا راستہ موت کا راستہ ہے۔

جنرل (پرویز مشرف) صاحب! میں تنظیم الاخوان کا امیر محمد اکرم اعوان آپ سے مخاطب ہوں جس نے اللہ کے حکم کو نافذ کرنے کے لیے بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے مہرِ نبوت کا علم سر بلند کیا ہوا ہے۔ آپ اسلام نافذ نہیں کریں گے تو ہم اسلام کے لیے ایوانِ اقتدار کی طرف آئیں گے۔ موت پر بیعت کرنے والے تین لاکھ

جاں باز گلے میں قرآن ڈالے، ہاتھوں میں تسبیح پکڑے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور اللہ ہو کا ورد کرتے ہوئے اسلام آباد کی طرف مارچ کریں گے۔ ہم بندوقیں نہیں لائیں گے، لیکن اگر کسی نے ہم پر بندوقیں اٹھانے کی غلطی کی تو ہم ان سے بندوق چھین لیں گے۔ بندوقیں چلانا ہمیں آتا ہے۔'' (جنگ ۹۔۱۱ دسمبر ۲۰۰۰)

اعوان صاحب اور ان کے خیمہ زن ساتھیوں کے جذبات اور مطالبات لائقِ تحسین اور قابلِ احترام ہیں، مگر ان جذبات کے اظہار اور ان مطالبات کی تکمیل کا جو راستہ وہ اختیار کر رہے ہیں وہ کسی طرح قابلِ فہم نہیں ہے۔ اس آسمان کے نیچے اور اس زمین کے اوپر اللہ کے نبیوں سے بڑھ کر دین کا درد اور دین کا فہم رکھنے والا کوئی ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے، اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ کسی نبی نے ''نفاذِ دین'' کے لیے یہ طریقہ اور یہ لب ولہجہ اختیار نہیں کیا۔

نبیوں نے ہمیشہ تعلیم و تربیت کے ذریعے سے دین کو لوگوں کے دلوں میں اتارنے کی کوشش کی۔ جی ہاں دلوں میں اتارنے کی کوشش۔ دین کو دلوں ہی میں اتارنا چاہیے۔ دین دل میں اترے تو رویے کی صورت میں آپ سے آپ ظاہر ہونے لگتا ہے۔ اسی طرح اجتماعی سطح پر نظام میں بھی نمودار ہونے لگتا ہے۔ اگر دین دلوں میں اترا ہوا نہ ہو اور اسے صرف قانون کی سطح پر بزور لوگوں کے ''ظاہر'' پر نافذ کر دیا جائے تو اس سے کچھ فائدہ نہ ہو گا۔ لوگ اندر سے بے دین رہیں گے اور ظاہر میں دین داری کا لبادہ اوڑھ لیں گے۔

اس ضمن میں یہ حقیقت واضح کر دینا بھی ضروری محسوس ہوتا ہے کہ انسان کا اصل مسئلہ آخرت کی کامیابی ہے۔ نبیوں نے بھی ہمیشہ ریاست کے مسائل کو ثانوی اور آخرت کی کامیابی کو بنیادی اہمیت دی ہے ــــــ یہاں یہ ذہن میں رہے کہ آخرت میں دین کا لبادہ اوڑھنے والے ناکام قرار دے دیے جائیں گے ــــ نبیوں نے خود کو کبھی اصلاً ''نظام تبدیل کرنے والا'' نہیں بلکہ ''آخرت کے احتساب سے ڈرانے والا'' قرار دیا۔ وہ اسی پہلو سے 'منذر' کہلاتے تھے۔ اسی جہت سے علماے دین کو نبیوں کا جانشیں قرار دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ مجید میں علماے دین کا بنیادی کام 'انذار' ٹھیرایا گیا ہے۔

ہمارے ملک کا اصل مسئلہ یہ ہے کہ آخرت میں خدا کی پرسش اور سزا کا خوف لوگوں کے دلوں میں نہیں ہے۔ آج اگر اہلِ علم لوگوں میں تعلیم و تربیت کے ذریعے سے یہ خوف پیدا کر دیں تو اس کے نتیجے میں ریاستی نظام میں موجود غیر اسلامی عناصر آپ سے آپ ختم ہونا شروع ہو جائیں۔ یعنی آخرت اگر ''ہدف'' ہو تو نظام کی اصلاح اس کے ''نتیجے'' کے طور پر خود بخود ہو جاتی ہے ــــــ یہاں یہ پیشِ نظر رہے کہ ایسی تبدیلی ہی اصلی

اور دیرپا ہوتی ہے —— مگر افسوس ہے کہ ہمارے ہاں ''نتیجے'' کو ''ہدف'' بنالیا گیا ہے، جس کی وجہ سے مسئلہ جڑ بنیاد سے حل نہیں ہو رہا، بلکہ مزید سنگین صورت اختیار کر رہا ہے۔

لب دعا گو ہیں کہ دین کو نافذ کرنے کی خواہش رکھنے والے قابلِ احترام حضرات دین کی اس روح کو سمجھیں، اس کے اصل مقصد کو اپنائیں اور دین کے نفاذ کے معاملے میں بھی دین کے بتائے ہوئے طریقوں ہی کو اختیار کریں۔

—— محمد بلال

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ البقرۃ

(۲۵)

(گزشتہ سے پیوستہ)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ

پھر کیا[۳۳۲] تم اُس وقت موجود تھے، جب یعقوب اِس دنیا سے رخصت ہو رہا تھا[۳۳۳]، اُس وقت

۳۳۲؎ یہ سوال کا اسلوب اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ مخاطبین اُس بات کو سننے کے لیے پوری طرح متنبہ ہو جائیں جو آگے بیان کی جا رہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم سمجھتے ہو کہ تمھارے یہ بزرگ یہودی یا نصرانی تھے تو کیا تم اُس وقت موجود تھے جب یعقوب نے اپنے بیٹوں سے یہ گفتگو کی۔ اسے یاد کرو اور بتاؤ کہ اُس وقت انھوں نے اپنی اولاد سے یہودیت اور نصرانیت کا اقرار لیا تھا یا اسلام کا؟

۳۳۳؎ وصیت کے وقت سیدنا یعقوب کی موت کے اس حوالے سے جن باتوں کی طرف اشارہ مقصود ہے، ان کی وضاحت استاذ امام نے اپنی تفسیر میں اس طرح فرمائی ہے:

> ''ایک تو اس بات کی طرف کہ حضرت یعقوب نے یہ عہد و اقرار اپنی اولاد سے اپنے بالکل آخری لحاتِ زندگی میں لیا ہے، اس وجہ سے یہ گمان کرنے کے لیے کوئی گنجایش نہیں ہے کہ اس کے بعد ان کے مسلک و مذہب میں کوئی تبدیلی واقع ہو گئی ہو۔ دوسری اس بات کی طرف کہ ایک شفیق و مہربان باپ جو خدا کا ایک پیغمبر بھی ہے، اپنی اولاد سے

قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَکَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِکَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۔

تِلْکَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا کَسَبَتْ وَ لَکُمْ مَّا کَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا کَانُوْا

جب اُس نے اپنے بیٹوں سے پوچھا: تم میرے بعد کس کی پرستش کرو گے؟[۳۳۴] انھوں نے جواب دیا: ہم اُسی ایک معبود کی پرستش کریں گے جو تیرا معبود ہے اور تیرے باپ دادوں ـــــ ابراہیم، اسمٰعیل[۳۳۵] اور اسحٰق ـــــ کا معبود ہے اور ہم اُسی کے فرماں بردار ہیں۔[۳۳۶] ۱۳۳

یہ ایک گروہ تھا جو گزر گیا، اُن کا ہے جو اُنھوں نے کیا اور تمھارا ہے جو تم نے کیا، تم سے یہ نہ

جو عہد واقرار، اپنے بالکل آخری لحاتِ زندگی میں لیتا ہے، اس کے اور اس کی اولاد کے درمیان سب سے زیادہ اہمیت رکھنے والا واقعہ وہی عہد واقرار ہو سکتا ہے اور باوفا اولاد کا یہ سب سے بڑا اور سب سے مقدس فرض ہے کہ وہ ہر طرح کے حالات کے اندر اس عہد کو نباہے، صرف ناخلف اولاد ہی اس نوعیت کے عہد واقرار کی خلاف ورزی کرتی ہے۔ تیسری یہ کہ اللہ سے ڈرنے والے اور اپنی اولاد سے سچی محبت کرنے والے ایک باپ کا زندگی میں اپنی اولاد سے متعلق آخری فریضہ یہ ہے کہ وہ مرتے دم اُن کی دنیا سے زیادہ ان کی آخرت کی فکر کرے اور ان کو دین پر قائم رہنے اور اسی دین پر جینے اور مرنے کی تلقین کرے۔'' (تدبرِ قرآن، ج۱، ص ۳۴۶)

۳۳۴؎ اصل الفاظ ہیں: 'مَا تعبدون من بعدی'۔ ان میں سوال کے لیے 'ما' کا لفظ سیدنا یعقوب نے اس لیے استعمال فرمایا کہ مخاطبین کے ذہن میں معبود سے متعلق اگر کوئی تردد ہو گا تو وہ ابہام کے اس اسلوب سے اُن کے جواب میں ظاہر ہو جائے گا۔

۳۳۵؎ یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کی زبان سے اس اعتماد اور صراحت کے ساتھ یہاں سیدنا اسمٰعیل کے ذکر سے واضح ہے کہ اُن کے زمانے تک اُن کی اولاد میں اسمٰعیل اور اُن کی ذریت کے خلاف اس طرح کا کوئی تعصب نہ تھا جو بعد میں بدقسمتی سے پیدا ہو گیا۔

۳۳۶؎ یعنی ہم توحید کے ماننے والے ہیں اور ہم نے اسلام ہی کو اپنے دین کی حیثیت سے اختیار کیا ہے، اس کے سوا ہمارا کوئی دین نہیں ہے۔

يَعْمَلُوْنَ ۔

وَ قَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْنَصٰرٰى تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ

پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے۔[۳۳۷] ۱۳۴

(اِن کے بزرگوں کی روایت تو یہ ہے) اور (اِدھر) اِن کا اصرار ہے کہ یہودی یا نصرانی بنو تو ہدایت پاؤ گے۔[۳۳۸] اِن سے کہہ دو: بلکہ ابراہیم کا دین اختیار کرو[۳۳۹] جو (اپنے پروردگار کے لیے) بالکل یک سو تھا[۳۴۰] اور مشرکوں میں سے نہیں تھا۔ اِن سے کہہ دو: ہم نے اللہ کو مانا ہے اور اُس چیز کو

۳۳۷؎ یہ چند لفظوں میں اس ساری بحث کا خلاصہ ہے جو اوپر سے چلی آ رہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم اگر یہ سمجھتے ہو کہ تمھارے حصے کا عمل بھی تمھارے بزرگ کر گئے ہیں تو یہ محض وہم وخیال ہے۔ وہ اپنے اعمال کا صلہ خود پائیں گے۔ اس میں تمھارا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں تم سے تمھارے بزرگوں کا عمل نہیں پوچھا جائے گا، بلکہ تمھارا اپنا عمل پوچھا جائے گا۔

۳۳۸؎ یعنی ایک دوسرے کی تکفیر وتضلیل کے باوجود، جب اسلام کی مخالفت کا موقع آتا ہے تو اس طرح متحد ہو کر کہتے ہیں کہ جو شخص ہدایت اور نجات چاہتا ہو، اسے یہودی ہونا چاہیے یا نصرانی۔ یہ تیسرا دین جو اسلام کے نام سے پیش کیا جا رہا ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

۳۳۹؎ اصل الفاظ ہیں: 'بل ملة ابراهيم حنيفاً'۔ ان میں 'ملة' کا لفظ منصوب ہے، لہٰذا یہاں لازماً کوئی فعل محذوف ماننا جائے گا۔ ہم نے، جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے، امر کا صیغہ محذوف مانا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عربی زبان میں اس طرح کا نصب، بالعموم ترغیب یا ترہیب کے مواقع پر آتا ہے، اور اس کے لیے امر کا صیغہ ہی موزوں ہے۔ پھر یہ جملہ یہود و نصاریٰ کی دعوت کے جواب میں آیا ہے اور دعوت کا جواب، اگر غور کیجیے تو اس موقع پر دعوت ہی ہو سکتی ہے۔

۳۴۰؎ اصل میں 'حنيفاً' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس کے معنی پوری طرح کسی کی طرف جھک جانے کے ہیں۔ یہاں یہ مضاف الیہ سے حال واقع ہوا ہے۔ اس پر کوئی تردد نہ ہونا چاہیے۔ عربی زبان میں مجرور سے

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

وَاِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَ عِيْسٰی وَمَآ اُوْتِیَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِاهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِیْ شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۔

جو ہماری طرف نازل کی گئی اور جو ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق اور یعقوب اور اُن کی اولاد کی طرف نازل کی گئی اور جو موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے سب نبیوں کو اُن کے پروردگار کی طرف سے دی گئی۔ ہم اِن میں کوئی فرق نہیں کرتے[۳۴۱] (یہ سب اللہ کے پیغمبر ہیں) اور ہم اُسی کے فرماں بردار ہیں۔۱۳۵۔۱۳۶

پھر اگر وہ اُس طرح مانیں، جس طرح تم نے مانا ہے[۳۴۲] تو راہ یاب ہوئے اور اگر منہ پھیر لیں تو وہی ضد پر ہیں۔ سو اِن کے مقابلے میں اللہ تمھارے لیے کافی ہے، اور وہ سننے والا ہے، ہر چیز سے واقف ہے۔[۳۴۳] ۱۳۷

حال پڑنے کا یہ طریقہ بالکل عام ہے۔

۳۴۱؎ یعنی ہم تمھاری طرح یہ نہیں کرتے کہ کسی کو مانیں اور کسی کو نہ مانیں۔ اللہ تعالیٰ کی کسی ہدایت کو بھی ہم نہ جھٹلاتے ہیں اور نہ تردید کرتے ہیں، بلکہ بغیر کسی استثنا کے سب پر ایمان رکھتے ہیں۔

۳۴۲؎ یعنی بغیر کسی تفریق اور تعصب کے جس طرح تم نے تمام نبیوں اور تمام رسولوں کو مانا ہے، اسی طرح یہ بھی مانیں۔

۳۴۳؎ اس سے مقصود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان دلانا ہے کہ تمھارا پروردگار سب کچھ سنتا اور جانتا ہے، لہٰذا تم بے خوف ہو کر اپنی ذمہ داری پوری کرتے رہو۔ ان کے مقابلے میں تمھاری طرف سے وہی کافی ہے۔

(باقی)

---

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

طالب محسن

جن اور فرشتہ

(مشکوٰۃ المصابیح، حدیث: ۶۷۔۷۲)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من أحد إلا و قد وکل بہ قرینہ من الجن و قرینہ من الملائکۃ ۔ قالوا : و إیاک یا رسول اللہ ۔ قال : و إیای ، و لکن اللہ أعاننی علیہ فأسلم ، فلا یأمرنی إلا بخیر ۔

''ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے، مگر یہ کہ وہ اپنے ساتھی ایک جن اور ایک فرشتے کے سپرد کر دیا گیا ہو۔ لوگوں نے پوچھا: یا رسول اللہ، کیا آپ کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، میرے ساتھ بھی، لیکن اللہ نے میری مدد کی، چنانچہ وہ مسلمان ہو گیا۔ لہٰذا وہ مجھے خیر ہی کی باتیں کہتا ہے۔''

لغوی مباحث

وکل بہ : ' وَکَّل ' کا مطلب اپنا معاملہ کسی کے سپرد کرنا ہے۔ یہاں یہ مجہول ہے اور اس سے مراد ان کا مسلط ہونا ہے۔

قرین : ساتھی، جس کا ساتھ ہمہ وقتی ہو۔

متون

اس روایت کے متون میں کچھ فرق تو محض لفظی ہیں۔مثلاً ایک روایت میں 'من الجن' کے بجائے 'من الشیاطین' ہے۔اسی طرح احمد کی ایک روایت میں 'قد و کل به' کی جگہ 'و معه' روایت ہوا ہے۔لیکن ایک فرق کافی اہم ہے اور وہ فرق یہ ہے کہ ایک دو روایات میں 'قرینه من الملائکة' کا ذکر نہیں ہے۔کیونکہ زیادہ تر روایات میں یہ جز بیان ہوا ہے۔ چنانچہ اسے راویوں کا سہو ہی قرار دیا جائے گا۔

معنی

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو کچھ مادی قواعد وضوابط کا پابند بنا رکھا ہے۔ یہ قواعد ہم اپنے مشاہدے اور تجزیاتی مطالعے کی روشنی میں سمجھ لیتے ہیں۔ جدید دور میں سائنس دانوں نے اس دائرے میں بہت سا کام کیا ہے اور وہ بہت سے قوانین دریافت کر چکے ہیں اور دریافت کرتے رہیں گے، لیکن اللہ تعالیٰ کی یہ دنیا صرف ان مادی احوال تک محدود نہیں ہے۔اس مادی کارخانے کے پیچھے ایک غیر مادی نظام بھی کارفرما ہے۔اس روایت میں اس غیر مادی دنیا کے ایک معاملے کے بارے میں خبر دی گئی ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان کے ساتھ کچھ غیر مادی طاقتیں وابستہ ہیں۔ یہ طاقتیں خیر اور شر کی طاقتیں ہیں۔اس روایت میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ ان طاقتوں کے وابستہ ہونے سے کوئی انسان بھی مستثنیٰ نہیں ہے۔

قرآنِ مجید میں یہ بات بیان ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذی شعور مخلوقات میں فرشتے اور جنات بھی شامل ہیں۔فرشتے سراپا خیر مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی تنفیذ کا ذریعہ بھی ہیں۔ جنات انسانوں کی طرح آزمایش سے گزر رہے ہیں اور انھیں خیر وشر کے ترک واختیار کی پوری آزادی حاصل ہے۔ چنانچہ ان میں صالحین بھی موجود ہیں اور اشرار بھی پائے جاتے ہیں، بلکہ انھی کا ایک فرد ابلیس انسانوں کو گمراہ کرنے کا مشن اختیار کیے ہوئے ہے اور اپنے اس مشن کو پورا کرنے کے لیے انسانوں اور اپنے ہم جنسوں سے کام بھی لیتا ہے۔ ہمارے نزدیک، ملائکہ کی ذمہ داریوں اور ابلیس اور اس کے لشکر کی چالبازیوں کے نتیجے میں وہ صورتِ حال پیدا ہو جاتی ہے جس کے لیے اس حدیث میں ایک جن اور ایک فرشتے کے مسلط کیے جانے کی تعبیر اختیار کی گئی ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

یہاں یہ بات واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کی رہنمائی اور بھلائی ہی کا بندو بست کیا گیا ہے۔ یہ آزمایش کے لیے جنوں اور انسانوں کو دی گئی آزادی ہے جس کے نتیجے میں مذکورہ صورتِ معاملہ پیدا ہو جاتی ہے۔

قرآنِ مجید میں یہ بات اس طرح بیان نہیں ہوئی، لیکن فرشتوں اور جنات کے انسانی زندگیوں میں کردار اور مداخلت کو مختلف مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۂ انعام میں بتایا گیا ہے:

وَ هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَ يُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۔ (۶:۶۱)

''وہ اپنے بندوں پر پوری طرح حاوی ہے اور وہ تم پر اپنے نگران مقرر رکھتا ہے۔''

مولانا امین احسن اصلاحی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مطلب یہ ہے کہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ خدا اپنی مخلوق کے کسی فرد اور اپنے گلے کی کسی بھیڑ سے غافل ہوتا ہے، سب ہر وقت اسی کے کنٹرول میں ہیں۔ وہ برابر اپنے نگران فرشتوں کو ان پر مقرر رکھتا ہے، جو ایک پل کے لیے بھی ان کی نگرانی سے غافل نہیں ہوتے۔'' (تدبرِ قرآن، ج ۳، ص ۷۰)

سورۂ رعد میں اس سے بھی واضح الفاظ میں یہ بات بیان ہوئی ہے:

لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِنّ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُوْنَهُ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ۔ (۱۳:۱۱)

''ان پر ان کے آگے پیچھے سے امرِ الٰہی کے مؤکل لگے رہتے ہیں جو باری باری ان کی نگرانی کرتے ہیں۔''

اسی طرح جنات کے مسلط ہونے کا مضمون بھی قرآنِ مجید میں بیان ہوا ہے۔ سورۂ زخرف میں ہے:

وَ مَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِيْنٌ۔ (۴۳:۳۶)

''اور جو خدا کے ذکر سے اعراض کر لیتا ہے تو ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں جو اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔''

درجِ بالا آیات کے مطالعے سے واضح ہو جاتا ہے کہ روایت میں جو بات بیان ہوئی ہے، وہ قرآنِ مجید میں بھی بتائی گئی ہے۔ روایت سے شبہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سیدھی راہ پر لگانے کے ساتھ ساتھ گمراہ کرنے کا بندو بست بھی کیا گیا ہے۔ سورۂ زخرف کی آیت سے واضح ہو جاتا ہے کہ شیطان کا تسلط خود انسان کے اپنے عمل کا نتیجہ ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حوالے سے یہ بیان کیا ہے کہ میرے جن کو مسلمان کر دیا گیا ہے۔ یہ درحقیقت پیغمبر کی عصمت کی حفاظت کے اس نظام کا نتیجہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کارِ دعوت کے تحفظ کے لیے کیا جاتا ہے۔

کتابیات

مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ والجنۃ والنار، باب ۱۷۔ دارمی، کتاب الرقاق، باب ۲۴۔ مسند احمد، مسند عبداللہ بن عباس، مسند عبد اللہ بن مسعود۔

شیطان اور انسان

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

عن أنس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: إن الشیطان یجری من الانسان مجری الدم۔

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شیطان انسانی جسم میں اسی طرح گرداں ہے جیسے خون گرداں ہے۔''

لغوی مباحث

یجری مجری ......: کسی کی جگہ آنا، قائم مقام ہونا۔

متون

بخاری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اپنے ایک عمل کی دلیل کے طور پر تھا۔ روایت کے الفاظ ہیں:

عن علی بن الحسین رحمہ اللہ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم

''حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے

فــي الــمسـجـد و عـنــده أزواجــه فرحن ـ فـقـال لصفية بنت حيي: لا تـعجلي حتى انصرف معک و کان بيـنهـا في دار اسامة ـ فـخرج النبي صـلــى الله عـليه وسلم معها ـ فـلقيه رجـلان مـن الانصـار ـ فـنـظـرا الى الـنبـى صـلــى الله عـليــه وسلم ، ثم أجازا ـ و قـال لهـمـا النبى صلى الله عـليه وسلم : تعاليا ، إنها صفية بنت حيي ـ قـالا : سبـحـان الله يا رسـول الله ـ قـال : إن الشيـطـان يجرى من الانسـان مجرى الدم و إني خشيت أن يلقى فى أنفسكما شيئا ـ

اور آپ کے ساتھ آپ کی ازواج بیٹھی خوش ہو رہی تھیں۔ آپ نے صفیہ بنت حیی سے کہا : جلدی نہ کرو میں تمھارے ساتھ لوٹوں گا ۔اور صفیہ کا گھر دارِ اسامہ میں تھا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ نکلے۔ اس موقع پر انصار کے دو آدمی ملے ۔ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھا ، پھر آگے بڑھ گئے ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو کہا : ادھر آؤ ، یہ صفیہ بنت حیی ہیں ۔ ان دونوں نے کہا: سبحان اللہ، یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا: شیطان انسانی جسم میں اسی طرح گرداں ہے جیسے خون گرداں ہے۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ وہ تمھارے دل میں کوئی بات نہ ڈال دے۔‘‘

(بخاری، کتاب الاعتکاف، باب ۱۱)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

بخاری کی دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صفیہ کے مسجد میں حضور سے ملنے آنے کا واقعہ اس وقت پیش آیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں معتکف تھے۔ اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا رات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لیے آئی تھیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ صاحب مشکوٰۃ نے یہ روایت مسلم سے لی ہے اور پوری روایت لینے کے بجائے باب کی مناسبت سے مکالمے کا ایک جز لے لیا ہے۔ اس جز کے اعتبار سے متون میں صرف ایک ہی فرق روایت ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ ’......یجری ......مجری‘ کے بجائے ’......یبلغ......مبلغ‘ کے الفاظ بھی آئے ہیں۔

دارمی، ابنِ ماجہ اور احمد میں مروی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ ایک اور موقع پر بھی بولا تھا۔ اس روایت کے الفاظ ہیں:

عـــن جـابر قـال : قـال رسـول الله صــلى الله عـليه وسـلم : لا تـدخلـوا عـلـى الـمغيبات ـ فـان الــشيطان

’’حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اکیلی بیوی ہو تو گھر میں داخل نہ ہو، کیونکہ شیطان ابنِ آدم میں اس

یجری من ابن آدم کمجری الدم ۔ قالوا : و منک؟ قال : نعم ولکن اللّٰہ أعانني علیه فأسلم۔ (دارمی، کتاب الرقاق، باب ۶۴)

کے خون کی طرح گرداں ہے۔لوگوں نے پوچھا: کیا آپ کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے۔آپ نے فرمایا: ہاں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلے میں میری مدد فرمائی اور وہ مسلمان ہو گیا۔''

معنی

شیطان نے جس مشن کو اختیار کیا ہے، اس کے لیے اس کو متعدد کارندے دستیاب ہیں اور وہ انھیں انسانوں کے پیچھے لگائے رکھتا ہے۔ اس روایت میں ان شیاطین کی مستعدی کو واضح کیا گیا ہے۔ یعنی یہ ایک انسان پر اپنے افکار کے ساتھ حملہ آور ہونے کی بار بار کوشش کرتے ہیں۔ یہ کوشش شب و روز میں اتنی بار کی جاتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خون کی گردش سے تشبیہ دی ہے۔

مقصود یہ ہے کہ شیطان کے معاملے میں صالح سے صالح آدمی کو بھی بے پروا نہیں ہونا چاہیے۔ شیاطین ہر وقت چپکے رہتے ہیں اور دراندازی کے ہر موقعے سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ متون کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنی بیوی کے ساتھ کھڑے ہونے پر راہ سے گزرنے والوں پر واضح کرنا ضروری سمجھا کہ آپ اپنی اہلیہ کے ساتھ کھڑے ہیں۔ جب انھوں نے کسی سوے ظن کی نفی کرنی چاہی تو آپ نے یہ واضح کیا کہ اسی طرح کے مواقع ہوتے ہیں جب شیاطین فائدہ اٹھاتے اور برائی کا بیج بوتے ہیں۔ اسی طرح آپ نے اکیلی عورت کے گھر میں داخل ہونے سے منع کرتے ہوئے بھی یہی جملہ کہا ہے۔ اس موقع پر بھی آپ کا مطلب یہ ہے کہ شیطان کے لیے برائی کی طرف ابھارنے کے مواقع پیدا نہ کرو۔

اس روایت سے عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ ابلیس ہر آدمی کی رگوں میں گرداں رہتا ہے۔ یہ محض غلط فہمی ہے۔ ابلیس کو یہ طاقت نہیں دی گئی کہ وہ ہر جگہ ہر وقت موجود رہے۔ یہ اس کے کارندے ہیں جو وہ مختلف لوگوں پر مسلط کر دیتا ہے اور وہ مسلسل اپنے ہدف کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔

کتابیات

بخاری، کتاب الاعتکاف، باب ۱۱۔۱۲۔ کتاب بدء الخلق باب ۱۰۔ کتاب الاحکام، باب ۲۱۔ مسلم کتاب السلام، باب ۹۔ ترمذی، کتاب الرضاع، باب ۱۶۔ ابوداؤد، کتاب الصوم، باب ۷۹۔ کتاب السنۃ، باب ۱۸۔ کتاب الادب، باب ۸۸۔ ابن ماجۃ، کتاب الصیام، باب ۶۵۔ احمد، مسند انس بن مالک۔ مسند جابر بن عبداللہ۔ حدیث صفیہ ام المؤمنین۔ دارمی، کتاب الرقاق، باب ۶۴۔

---

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

جاوید احمد غامدی

قانونِ جہاد

(۳)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا، اِنَّ اللّٰہَ لَایُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ. وَاقْتُلُوْھُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ وَاَخْرِجُوْھُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْکُمْ وَالْفِتْنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تُقٰتِلُوْھُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰی یُقٰتِلُوْکُمْ فِیْہِ، فَاِنْ قٰتَلُوْکُمْ، فَاقْتُلُوْھُمْ کَذٰلِکَ جَزَآءُ الْکٰفِرِیْنَ. فَاِنِ انْتَھَوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ. وَقٰتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَاتَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّ یَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ، فَاِنِ انْتَھَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ. اَلشَّھْرُ الْحَرَامُ بِالشَّھْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْہِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ، وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ. (البقرہ ۲: ۱۹۰-۱۹۴)

''اور اللہ کی راہ میں اُن لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑیں اور اِس میں کوئی زیادتی نہ کرو۔ بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور انھیں جہاں پاؤ، قتل کرو اور وہاں سے نکالو، جہاں سے اُنھوں نے تمھیں نکالا ہے اور یاد رکھو کہ فتنہ قتل سے زیادہ بری چیز ہے۔ اور مسجدِ حرام کے پاس تم اُن سے خود پہل کر کے جنگ نہ کرو، جب تک وہ تم سے اُس میں جنگ نہ کریں۔ پھر اگر وہ جنگ چھیڑ دیں تو انھیں (بغیر کسی تردد کے) قتل کرو۔ اِس طرح کے منکروں کی یہی سزا ہے۔ لیکن وہ اگر (اپنے اِس انکار سے) باز آ جائیں تو اللہ بخشنے والا، مہربان ہے۔ اور تم اُن سے برابر جنگ کیے جاؤ، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور (اِس سرزمین میں) دین اللہ ہی کا ہو جائے۔

لیکن وہ باز آ جائیں تو (جان لو کہ) اقدام صرف ظالموں کے خلاف ہی جائز ہے۔ ماہِ حرام کا بدلہ ماہِ حرام ہے اور (اِسی طرح) دوسری حرمتوں کے بدلے ہیں۔ لہٰذا جو تم پر زیادتی کریں تم بھی اُن کی اس زیادتی کے برابر ہی اُنھیں جواب دو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور (جان لو کہ) اللہ اُن کے ساتھ ہے جو اُس کے حدود کی پابندی کرتے ہیں۔''

سورۂ حج میں قتال کی اجازت کے بعد اس کا حکم قرآن میں اصلاً انھی آیات میں بیان ہوا ہے۔ ان کے علاوہ قتال کا ذکر قرآن میں جہاں بھی آیا ہے، ان آیات کی تفصیل، تاکید[۷] اور ان کے حکم پر عمل کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بعض مسائل کی وضاحت ہی کے لیے آیا ہے۔ سورۂ بقرہ میں ان کا سیاق یہ ہے کہ مسلمانوں پر یہ بات جب واضح کی گئی کہ بیت اللہ کا حج اُن پر فرض ہے اور دین ابراہیمی کے اصلی وارث ہونے کی حیثیت سے یہ انھی کا حق بھی ہے کہ وہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی بنائی ہوئی اس مسجد کی طرف حج کی عبادت کے لیے سفر کریں تو ضروری ہوا کہ یہ بات بھی اُن پر واضح کر دی جائے کہ اس معاملے میں قریش اگر مزاحمت کا رویہ اختیار کریں تو انھیں کیا کرنا چاہیے۔ قرآن نے بتایا کہ اس صورت میں اللہ کا حکم یہ ہے کہ وہ تلوار سے اس مزاحمت کا خاتمہ کر دیں۔ آیات کا سیاق یہی ہے، لیکن قرآن نے بات یہاں ختم نہیں کی۔ اس نے اس کے ساتھ آیندہ جنگ کی ذمہ داری، اس کا جذبۂ محرکہ اور اس کے اخلاقی حدود، بلکہ غور کیجیے تو اس میں اقدام کی غایت بھی اس طرح بیان کر دی ہے کہ قتال کی وہ دونوں صورتیں، جن کا ذکر ہم نے تمہید میں کیا ہے، بالکل متعین ہو کر سامنے آ جاتی ہیں۔

ہم یہاں ان مباحث کی تفصیل کریں گے۔

ذمہ داری کی نوعیت

پہلی بات جو ان آیات سے واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ان میں صرف اتنی بات نہیں کہی گئی کہ مسلمان حجِ بیت اللہ کی راہ میں قریش کی مزاحمت ختم کرنے کے لیے تلوار اٹھا سکتے ہیں، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر انھیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس مقصد کے لیے تلوار اٹھائیں اور برابر اٹھائے رکھیں۔ یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور سرزمینِ حرم میں دین صرف اللہ ہی کا ہو جائے۔ یہ ظاہر ہے کہ ایک بھاری ذمہ داری ہے اور مسلمانوں کے کسی نظمِ اجتماعی پر اُس کی حربی اور اخلاقی قوت کا لحاظ کیے بغیر نہیں ڈالی جا سکتی۔ چنانچہ سورۂ انفال میں قرآن نے وضاحت فرمائی ہے کہ اس کا لحاظ کیا گیا اور مختلف مراحل میں یہ اسی کے لحاظ سے کم یا زیادہ کر دی گئی۔

---

۷ جس طرح، مثال کے طور پر، اسی سورہ کی آیت ۲۴۴ میں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

پہلے مرحلے میں، جب مسلمانوں کی جماعت زیادہ تر مہاجرین وانصار کے سابقین اولین پر مشتمل تھی اور ایمان واخلاق کے اعتبار سے اس میں کسی نوعیت کا کوئی ضعف نہ تھا، وہ دس کے مقابلے میں ایک کی قوت سے اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے پابند تھے۔ ارشاد فرمایا:

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ ، اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ وَ اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَۃٌ یَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ. (الانفال ۸:۶۵)

''اے نبی، ان اہل ایمان کو جہاد پر ابھارو، تم میں سے اگر بیس ثابت قدم ہوں گے تو وہ دوسو پر غالب آئیں گے اور اگر سو ایسے ہوں گے تو ان کافروں کے ہزار پر بھاری رہیں گے، اس لیے کہ یہ بصیرت سے محروم لوگ ہیں۔''

استاذ امام امین احسن اصلاحی اس بصیرت کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

''یہی بصیرت انسان کا اصل جوہر ہے اس بصیرت کے ساتھ جب مومن میدانِ جنگ میں نکلتا ہے تو وہ اپنے تنہا وجود کے اندر ایک لشکر کی قوت محسوس کرتا ہے، اس کو اپنے داہنے بائیں خدا کی نصرت نظر آتی ہے موت اس کو زندگی سے زیادہ عزیز ومحبوب ہو جاتی ہے، اس لیے کہ اس کی بصیرت اس کے سامنے اس منزل کو روشن کر کے دکھا دیتی ہے جو اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کے لیے مخصوص ہے۔ یہی بصیرت اس کے اندر وہ صبر وثبات پیدا کرتی ہے جو اس کو تنہا اس بصیرت سے محروم دس آدمیوں پر بھاری کر دیتی ہے۔''

(تدبرِ قرآن، ج ۳ ص ۵۰۶-۵۰۷)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

یہ پہ مرحلہ تھا۔ اس کے بعد نئے لوگ اسلام میں داخل ہوئے۔ اس مرحلے میں مسلمانوں کی تعداد اگرچہ بہت بڑھ گئی، لیکن دین کی بصیرت کے لحاظ سے وہ سابقین اولین کے ہم پایہ نہیں رہے تو اللہ تعالیٰ نے اس ذمہ داری کا بوجھ بھی اُن پر ہلکا کر دیا اور فرمایا:

اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰہُ عَنْکُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِیْکُمْ ضَعْفًا ، فَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَۃٌ صَابِرَۃٌ یَّغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ ، وَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ اَلْفٌ یَّغْلِبُوْٓا اَلْفَیْنِ بِاِذْنِ اللّٰہِ ، وَاللّٰہُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ. (الانفال ۸:۶۶)

''اب اللہ نے تمھارا بوجھ ہلکا کر دیا ہے اور جان لیا ہے کہ تم میں کمزوری آ گئی ہے۔ لہٰذا تم میں سے اگر سو ثابت قدم ہوں گے تو وہ دوسو پر غالب آئیں گے اور اگر ہزار ایسے ہوں گے تو اللہ کے حکم سے دو ہزار پر بھاری ہیں گے اور (حقیقت یہ ہے کہ) اللہ اُن لوگوں کے ساتھ ہے جو (اُس کی راہ میں)

ثابت قدم رہیں۔''

یہی معاملہ مہمات کی ضرورت کے لحاظ سے بھی ہوا۔ بدر و احد اور تبوک وغیرہ کے مواقع پر ہر مسلمان کو اس ذمہ داری کا مکلّف ٹھیرایا گیا اور جن لوگوں نے اس مقصد کے لیے نکلنے میں کمزوری دکھائی، انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخت محاسبے کا سامنا کرنا پڑا یہاں تک کہ انھیں وعید سنائی گئی کہ وہ اگر اپنے اہل و عیال اور مال و منال کو اللہ کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں تو انتظار کریں کہ اللہ اپنا فیصلہ صادر فرمائے اور انھیں بھی اسی انجام سے دوچار کر دے جو رسول کی تکذیب کرنے والوں کے لیے مقدر ہو چکا ہے[8]۔ لیکن جن مہمات کے لیے سب مسلمانوں کے نکلنے کی ضرورت نہ تھی، اُن کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ اب معاملہ درجۂ فضیلت حاصل کرنے کا ہے اور یہ درجۂ فضیلت اگرچہ کوئی معمولی چیز نہیں ہے، مگر جہاد کے لیے نکلنے کی ذمہ داری اس وقت تمام مسلمانوں پر عائد نہیں ہوتی:

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ، فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ، وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ، وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا. دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَ مَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ، وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا. (النساء۴: ۹۵-۹۶)

''مسلمانوں میں سے جو لوگ کسی معذوری کے بغیر گھر بیٹھے رہیں اور جو اللہ کی راہ میں اپنے جان و مال کے ساتھ جہاد کریں، دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ جان و مال کے ساتھ جہاد کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے بیٹھ رہنے والوں پر ایک درجہ فوقیت دی ہے۔ اور (یہ حقیقت ہے کہ) دونوں سے اللہ کا وعدہ اچھا ہے، اور یہ بھی کہ مجاہدین کو بیٹھ رہنے والوں پر اللہ نے ایک بڑے اجر کی فضیلت عطا فرمائی ہے، اس کی طرف سے درجے بھی اور مغفرت بھی اور رحمت بھی، اور اللہ بخشنے والا ہے، بڑا مہربان ہے۔''

تاہم یہ بات قرآن نے دوسری جگہ پوری صراحت کے ساتھ بتا دی ہے کہ ایک مرتبہ میدان میں اترنے کے بعد بزدلی دکھانا اور پیٹھ دکھا کر بھاگ جانا کسی مسلمان کا شیوہ نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اتنا بڑا گناہ

۸۔ التوبہ ۹: ۲۴۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

قرار دیا ہے کہ اس پر جہنم کی وعید سنائی ہے۔سورۂ انفال میں ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ. وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ. (۸:۱۵-۱۶)

''ایمان والو، جب تم ایک منظّم فوج کی صورت میں اِن کافروں کے مقابلے میں آؤ تو انھیں پیٹھ نہ دکھاؤ۔اور (جان لو کہ) جس نے اس موقع پر پیٹھ دکھائی، الّا یہ کہ جنگ کے لیے پینترا بدلنا چاہتا ہو یا اپنی فوج کے کسی دوسرے حصے سے ملنا چاہتا ہو، تو وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ نہایت برا ٹھکانا ہے۔''

استاذ امام ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اب یہ مسلمانوں کو آیندہ پیش آنے والی جنگوں سے متعلق ہدایت دی جا رہی ہے کہ جب منظّم فوج کشی کی شکل میں دشمن سے تمھارا مقابلہ ہو تو پیٹھ نہ دکھانا۔ یہ ہدایت اللہ تعالیٰ کی انھی تائیدات پر مبنی ہے جو اوپر مذکور ہوئی ہیں کہ جن کی پشت پر خدا اور اس کے فرشتے یوں مدد و نصرت کے لیے کھڑے ہوں، ان کے لیے حرام ہے کہ وہ اپنی پیٹھ دشمن کو دکھائیں۔

'ومن یولھم یومئذ دبرہ' ایسی صورت میں جو لوگ دشمن کو پیٹھ دکھائیں گے، فرمایا کہ وہ خدا کا غضب لے کر لوٹیں گے اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔اسی سے معلوم ہوا کہ یہ جرم کفر و ارتداد کے برابر ہے۔اس جرم کی یہ شدت، ظاہر ہے کہ اسی بنیاد پر ہے کہ جو شخص میدانِ جنگ سے بھاگتا ہے، وہ اپنی بزدلی سے بسا اوقات پوری فوج، بلکہ پوری ملت کے لیے ایک شدید خطرہ پیدا کر دیتا ہے۔

'الا متحرفا لقتال او متحیزا الی فئة' یعنی اس سے مستثنیٰ وہ شکلیں ہیں جو کوئی سپاہی کسی جنگی تدبیر کے لیے اختیار کرتا ہے، یا کوئی ایسی صورت اس کے سامنے آ گئی ہے کہ وہ اپنے ایک مورچے سے ہٹ کر اپنے ہی کسی دوسرے مورچے کی طرف سمٹنا چاہتا ہے۔مطلب یہ ہے کہ حرام جو چیز ہے، وہ فرار کی نوعیت کا پیٹھ دکھانا ہے، وہ پیچھے ہٹنا اس سے مستثنیٰ ہے جو تدبیرِ جنگ کی نوعیت کا ہو۔'' (تدبرِ قرآن، ج ۳، ص ۴۵۰-۴۵۱)

قرآن کی ان تصریحات سے یہ تین باتیں بالکل متعین ہو کر سامنے آتی ہیں:

'اول یہ کہ ظلم و عدوان کا وجود متحقق بھی ہو تو جہاد اس وقت تک فرض نہیں ہوتا، جب تک دشمن کے مقابلے

میں مسلمانوں کی حربی قوت ایک خاص حد تک نہ پہنچ جائے۔ سابقین اولین کے ساتھ دوسرے لوگوں کی شمولیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ حد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی میں دو کے مقابلے میں ایک مقرر کر دی تھی۔ بعد کے زمانوں میں یہ تو متصور نہیں ہو سکتا کہ یہ اس سے زیادہ ہو سکتی ہے، لہٰذا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ جہاد و قتال کی اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے نہ صرف یہ کہ اپنے اخلاقی وجود کو محکم رکھنے کی کوشش کریں، بلکہ اپنی حربی قوت بھی اس درجے تک لازماً بڑھائیں جس کا حکم قرآن نے زمانۂ رسالت کے مسلمانوں کو اس وقت کی صورتِ حال کے لحاظ سے دیا تھا:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ، اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ، وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ. (۸:۶۰)

”اور اِن (کافروں) کے لیے، جس حد تک ممکن ہو، حربی قوت اور بندھے ہوئے گھوڑے تیار رکھو جس سے اللہ کے اور تمھارے ان دشمنوں پر تمھاری ہیبت رہے اور ان کے علاوہ اُن دوسروں پر بھی جنھیں تم نہیں جانتے، (لیکن) اللہ جانتا ہے۔ اور (جان رکھو کہ) اللہ کی اس راہ میں تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے، وہ تمھیں پورا مل جائے گا اور تمھارے ساتھ کوئی کمی نہ ہو گی۔“

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org javedahmadghamidi.com

دوم یہ کہ جہاد میں عملاً حصہ نہ لینا صرف اُس صورت میں جرم ہے، جب کوئی مسلمان نفیرِ عام[9] کے باوجود گھر میں بیٹھا رہے، اُس وقت یہ بے شک نفاق جیسا بڑا جرم بن جاتا ہے۔ یہ صورت نہ ہو تو جہاد ایک فضیلت ہے جس کے حصول کا جذبہ ہر شخص میں ہونا چاہیے، لیکن اس کی حیثیت ایک درجۂ فضیلت ہی کی ہے، یہ ان فرائض میں سے نہیں ہے کہ جنھیں پورا نہ کیا جائے تو آدمی مجرم قرار پائے۔

سوم یہ کہ قتال فی سبیل اللہ کے لیے میدان میں اترنے کے لیے بزدلی اور فرار کی نوعیت کا پیٹھ دکھانا حرام ہے۔ کسی صاحبِ ایمان کو ہرگز اس کا ارتکاب نہیں کرنا چاہیے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نصرت پر بے اعتمادی، دنیا کی آخرت پر ترجیح اور موت و حیات کو اپنی تدبیر پر منحصر قرار دینے کا جرم ہے جس کی ایمان کے ساتھ کوئی گنجایش

9۔ یعنی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ اربابِ حل وعقد ہر مسلمان کو جہاد کے لیے طلب کر لیں۔

نہیں مانی جا سکتی۔

(باقی)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ابوسلمان سراج الاسلام حنیف

سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور علومِ نبوت

(۱)

ماہ نامہ ''فکرونظر''، اسلام آباد کا شمارہ نمبر۳، جلد۳۳، جنوری تا مارچ ۱۹۹۶ میرے سامنے ہے، جس کے صفحات ۵۷تا۹۱ پر معروف محقق، عالمِ دین اور جامعہ اسلامیہ، بہاول پور کے ایک سابق استاد کا ایک مضمون درج ہے، جسے ماہ نامہ ''البلاغ''، کراچی کے شکریہ کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔ مضمون کا عنوان ہے: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ اور علومِ نبوی''۔ مولانا صاحب اپنے مضمون میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''مدینہ نبوی میں عقدِ مؤاخات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مؤاخات (یعنی آپ کے بھائی بننے) کا شرف حاصل ہوا[1]۔''

مولانا صاحب نے اپنی اس بات کا کوئی حوالہ نہیں دیا، آیئے میں آپ کو اس کی حقیقت بتا دوں۔ امام حاکم اور امام ترمذی فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کے مابین عہد مؤاخات کرا لیا تو علی رضی اللہ عنہ آنکھوں میں آنسو لیے ہوئے آئے اور فرمایا:' **آخی رسول الله صلی الله علیه وسلم بین اصحابه فجاء علی تدمع عیناه فقال : یا رسول الله آخیت بین اصحابک و لم تواخ بینی و بین احدٍ ، فقال له رسول الله صلی الله علیه وسلم: انت اخی فی الدنیا والاخرة**[2]'۔

---

[1] ماہ نامہ ''فکرونظر'' اسلام آباد، شمارہ ۳، جلد ۳۳، صفحہ ۶۷، فضیلت (۱)۔ یہ روایت ماہ نامہ ''الحق''، اکوڑہ خٹک کے شمارہ (۱) جلد (۳۶) صفحہ (۹) مطابق اکتوبر ۲۰۰۰م میں ابنِ ہشام کی روایت سے بیان کی گئی جوان کی سیرت ۲: ۵۰۴-۵۰۵ میں محمد بن اسحاق کا نام لے کر منتقل کیا گیا ہے، محمد بن اسحاق کہتے ہیں: ہمیں یہ بات پہنچی ہے۔ اب یہ روایت کس نے بیان کی ہے؟ اس کا نام و نشان تک معلوم نہیں۔ پس اصولِ حدیث کے رو سے یہ روایت سخت کمزور ہے۔

[2] ترمذی (۳۷۲۰) کتاب المناقب (۵۰)، باب (۲۱)۔ المستدرک ۳: ۱۴۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

(آپ نے اپنے اصحاب کے درمیان مؤاخات تو کرلیا اور کسی کو میرا بھائی نہیں ٹھیرایا، اس پر آپ نے فرمایا: تو دنیا اور آخرت میں میرا ہی بھائی ہے۔)

مواخات کی یہ روایت من گھڑت ہے، اس کا مرکزی راوی جمیع بن عمیر ہے، جس کے بارے میں امام ابنِ حبان لکھتے ہیں: رافضی تھا اور من گھڑت روایات بنایا کرتا تھا: **کان رافضیاً یضع الحدیث**[3] ۔ امام ابنِ نمیر فرماتے ہیں: '**کان من اکذب الناس**'[4]۔ (بہت بڑا جھوٹا تھا۔)

امام بخاری فرماتے ہیں: '**فیہ نظر**'[5] (اس میں شدید کمزوری ہے۔) حافظ ذہبی نے زیرِ بحث روایت کو اس راوی کے جھوٹا ہونے کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے[6]۔

اس قسم کی ایک اور روایت دوسری سند کے ساتھ امام حاکم نے نقل کی ہے[7] لیکن اس میں جمیع کے ساتھ ایک اور ضعیف راوی اسحاق بن بشر الکاھلی موجود ہے جس کے متعلق حافظ ذہبی فرماتے ہیں: **ھالک**[8]۔

اس قسم کی ایک روایت امام طبرانی کی المعجم الاوسط کے حوالہ سے حافظ ابنِ حجر نے بھی نقل کی ہے جس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں: **قم فانت اخی**[9]۔

حافظ ابنِ حجر کی یہی روایت المعجم الاوسط ۸:۴۳۵ (۷۸۹۰) پر موجود ہے لیکن اس میں ''**قم فانت اخی**'' کے الفاظ موجود نہیں ہیں۔

امام ابنِ تیمیہ فرماتے ہیں: '**اما حدیث المواخاہ فباطل موضوع ، فان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یواخ احدا، ولا آخی بین المھاجرین بعضھم من بعض ، ولا بین الانصار بعضھم من بعض ، و لکن آخی بین المھاجرین والانصار**[10]۔' (مؤاخات کی روایت باطل اور موضوع ہے

---

[3] المجروحین ۱:۲۱۸۔

[4] نفس مصدر۔

[5] التاریخ الکبیر ۲:۲۴۲۔

[6] میزان الاعتدال ۱:۴۲۱، ترجمہ ۱۵۵۲۔

[7] المستدرک ۳:۱۴۔

[8] تلخیص المستدرک ۳:۱۴۔

[9] فتح الباری، کتاب فضائل الصحابہ ۷:۶۲۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤاخات میں کسی کو اپنا بھائی نہیں بنایا، آپ نے مہاجرین کو آپس میں اور انصار کو آپس میں بھائی بھائی نہیں بنایا بلکہ مہاجرین اور انصار کے درمیان مؤاخات قائم کی)

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

''ابنِ سعد کی کتاب الطبقات الکبریٰ[11] میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کے درمیان مواخات (بھائی چارگی) کا تعلق قائم کیا۔[12]

اس سلسلے میں مولانا ندوی آگے لکھتے ہیں کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی مواخات خود اپنی ذات سے قائم کی اس سلسلہ میں بہت سی احادیث نقل کی گئی ہیں جس میں چند احادیث کی اسناد ضعیف ہیں اور بعض احادیث کے متن میں کمزوری ہے۔[13]

محترم مقالہ نگار صاحب آگے لکھتے ہیں:

''سنہ ۹ ہجری میں آیہء برأت کی تبلیغ کا شرف آپ ہی کے حصہ میں آیا اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے یہ فرماتے ہوئے کہ 'لا یبلغہ الا انا او رجل منی' (اس کی تبلیغ یا تو میں کرسکتا ہوں یا میرے خاندان کا کوئی فرد۔) اس حکم کی تبلیغ کی ذمہ داری آپ ہی کے سپرد کی۔[14]''

جہاں تک آیہء برأت کی تبلیغ کا تعلق ہے وہ سو فی صد درست ہے اور صحیح روایات سے ثابت ہے۔ مجھے 'لا یبلغہ الا انا او رجل منی' کے بارے میں کچھ عرض کرنا ہے۔ جہاں تک میں نے جستجو کی ہے تو یہ روایت مجھے درجِ ذیل صحابہء کرام سے مرفوعاً مل گئی ہے:

۱۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ: آپ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: **بعث النبی صلی اللہ علیہ**

---

۱۰ منہاج السنتہ النبویہ ۲:۱۹۹۔

۱۱ الطبقات الکبریٰ ۳:۲۳۔ لیکن اس کی سند میں محمد بن عمر الواقدی موجود ہے جو وسیع علم رکھنے کے باوجود متروک ہے۔ (التقریب:۳۱۳)

۱۲ المرتضی ص:۶۲۔

۱۳ المرتضی ص:۶۲-۶۳۔ ان میں سے ایک کمزور روایت بلاذری کی انساب الاشراف ۱:۳۱۸ میں بلاسند مذکور ہے۔ جسے مولا محمد امجد صاحب تھانوی ریسرچ اسکالر، کراچی یونیورسٹی نے اپنے مضمون ''اسلامی نظام اور مؤاخات'' کے تحت نقل کیا ہے۔

۱۴ ماہنامہ فکر و نظر ص:۷۷، پیرا:۱۳۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

وسلم ببراءة مع ابی بکر رضی الله عنه ثم دعاه فقال : لا ینبغی لا حدٍ ان یبلغ هذا الا رجل من اهلی ، فدعا علیا فاعطاه ایاه[15]۔

امام ترمذی اس کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: یہ روایت غریب ہے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اس کا مرکزی راوی سماک بن حرب امام مزی کی تصریح کے مطابق مضطرب الحدیث تھا[16]۔ امام ابنِ حبان فرماتے ہیں: یخطئُ کثیرا[17]۔ یعنی: کثرت سے خطا کا شکار ہوا کرتا تھا۔ حافظ ابنِ حجر لکھتے ہیں: اس کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا اور تلقین (لقمہ) قبول کیا کرتا تھا[18]۔

حافظ ابنِ کثیر فرماتے ہیں: اس کی سند ضعیف اور متن میں نکارت ہے[19]۔

مسند احمد (۱:۱۵) کی سند میں سماک کے ساتھ محمد بن جابر بن سیار الحنفی ابو عبداللہ الیمامی سحیمی نامی راوی بھی موجود ہے[20]۔ امام احمد کے سامنے اس راوی کی ایک روایت بیان کی گئی تو انھوں نے فرمایا: ابنِ جابر اور اس کی روایت کوئی شے نہیں۔ اس کی روایت شدید منکر ہوتی ہے[21]۔ یہ بھی فرمایا: اس سے وہی شخص روایت کرے گا جو اس سے خراب تر ہو[22]۔ امام ابو حاتم فرماتے ہیں: آخری عمر میں اس کی کتابیں ضائع ہو چکی تھیں، حافظہ خراب ہو گیا تھا اور تلقین قبول کیا کرتا تھا[23]۔

۲۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ: آپ کی روایت امام نسائی کی السنن الکبریٰ ۵:۱۲۹ (۸۴۶۳) کتاب خصائص

---

[15] جامع ترمذی (۳۰۹۰) ۵:۲۵۶، کتاب تفسیر القرآن (۴۸) باب (۱۰)؛ السنن الکبریٰ للنسائی ۵:۱۲۸ (۸۴۶۰) کتاب الخصائص؛ مسند احمد ۱:۱۵۱؛ ۳:۲۱۲؛ مصنف ابن ابی شیبہ (۱۲۱۸۴) ۱۲:۸۵۔

[16] تہذیب الکمال ۱۲:۱۱۹۔

[17] الثقات لابن حبان ۴:۳۳۹۔

[18] تقریب التہذیب ص: ۱۳۷۔

[19] البدایۃ والنہایہ ۵:۴۶۔

[20] مجمع الزوائد ۷:۲۹۔

[21] العلل ومعرفۃ الرجال ۱:۳۷۴، رقم النص: ۷۱۶۔

[22] نفس مصدر ۱:۳۷۴، ۳۸۹، رقم النص: ۷۱۹؛ ۷۷۰۔

[23] الجرح والتعدیل ۷:۲۱۹، ترجمہ: ۱۲۱۵۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

علی رضی اللہ عنہ میں موجود ہے۔لیکن اس کی سند میں درجِ ذیل خامیاں موجود ہیں:

(۱)اس کا ایک راوی موسیٰ بن طارق ابوقرۃ ہے جو اگر چہ ثقہ تو تھا لیکن اکثر و بیشتر غریب (ضعیف) روایات بیان کرتا تھا۔[۲۴]

(۲)اس کا ایک راوی ابنِ جریج ہے جس کا نام عبدالملک بن عبدالعزیز ہے۔اکثر محدثین نے اس کو ثقہ کہا ہے لیکن امام امالک بن انس فرماتے ہیں: ابنِ جریج حاطب اللیل تھا۔[۲۵] اور اس کمزوری کے ساتھ ساتھ اس نے متعہ کے ستر نکاح کیے تھے۔[۲۶] اس سے معلوم ہوا کہ متعہ باز شیعی تھے۔

۳۔اس کا ایک راوی ابوزبیر المکی ہے جس کا نام محمد بن مسلم بن تدرس تھا، جو سچا تو تھا لیکن مدلس تھا۔[۲۷] اور یہ روایت معنعن ہے، یعنی یہ راوی اسے عن، عن کہہ کر بیان کرتا ہے اور اصولِ حدیث کا مشہور قاعدہ ہے کہ مدلس راوی کی معنعن روایت مردود ہوتی ہے۔[۲۸]

سیدنا حبشی بن جنادۃ الکوفی رضی اللہ عنہ: ان کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: **علی منی و انا منه و لا یودی عنی الا انا او علی ۔**

ان کی روایت مسند احمد ۴:۱۶۴؛ جامع الترمذی (۳۷۱۹) کتاب المناقب (۵۰) باب (۲۱)، سنن انسائی الکبری ۵:۱۲۸(۸۴۵۹) کتاب الخصائص باب (۲۴)؛ امام ابوعاصم کی کتاب السنۃ ۲:۵۸۹ (۱۳۲۰) اور امام طبرانی کی المعجم الکبیر ۴:۱۶(۳۵۱۱) میں موجود ہے۔لیکن:

(۱)اِن سب کا مرکزی راوی ابواسحاق السبیعی ہے جس کا نام عمرو بن عبداللہ ہے جو کثرت کے ساتھ تدلیس کیا کرتا تھا۔[۲۹] اور اس کی یہ روایت معنعن ہے پس اصولِ حدیث کی رو سے یہ روایت ناقابلِ احتجاج ٹھیری۔

۲۴۔ تقریب التھذیب ص:۲۵۱۔

۲۵۔ تاریخ بغداد ۱۰:۴۰۴۔

۲۶۔ میزان الاعتدال ۲:۶۵۹۔

۲۷۔ تقریب التھذیب ص:۳۱۸۔

۲۸۔ اختصار علوم الحدیث ص:۶۳، نوع:۱۲۔

۲۹۔ تعریف اہل التقدیس ص:۱۰۱، ترجمہ:۹۱(۲۵)۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

محدث مغیرہ اسی راوی کے بارے میں فرمایا کرتے تھے: اس ہی نے اہلِ کوفہ کی روایات کو ناکارہ اور ناقابلِ استدلال بنایا[۳۰]۔

(۲) مسند احمد اور سنن نسائی کی اسناد میں ابواسحاق کا شاگرد اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق موجود ہے جس نے ابواسحاق سے اس زمانے میں حدیث کی روایت کی ہے جب کہ ابواسحاق کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا اور اختلاط کا شکار ہوا تھا[۳۱]۔ پس روایت نادرست ہوئی۔

(۳) ترمذی کی سند میں اسماعیل بن موسیٰ الغزاری نامی راوی ہے جو صحابہء کرام رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا کرتا تھا اور اسی کے سبب محدثین اس پر شدید نکیر کیا کرتے تھے[۳۲]۔

(۴) طبرانی کی روایت میں ایک کمزوری تو یہ ہے کہ:

اس کے اکثر راویوں کا کتب اسماء رجال میں کوئی اتا پتا نہیں کہ ثقہ تھے یا غیر ثقہ۔

دوسری خرابی یہ ہے کہ اس کا راوی اسماعیل بن موسیٰ السیدی رافضی تھا[۳۳]۔ ایک اور راوی یحییٰ بن عبدالحمید الحمانی ہے۔ امام یحییٰ بن معین اسے ثقہ کہتے ہیں لیکن امام احمد اس کے بارے میں فرماتے ہیں: ظاہر باہر جھوٹ بولتا تھا۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں: متعصب شیعہ تھا اور کہا کرتا تھا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اسلامی ملت میں داخل نہیں ہیں[۳۴]۔ **اعاذنا الله منه**۔

۴۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔ ان کی رویت کو امام نسائی نے السنن الکبریٰ ۵:۱۲۹ (۸۴۶۲) میں اور امام ابو عاصم نے کتاب السنۃ ۲: ۶۰۹ (۱۳۸۴) میں نقل کیا ہے اور دونوں میں درجِ ذیل اسنادی کمزوریاں موجود ہیں:

(۱) ایک راوی فطر بن خلیفہ قرشی مخزومی ابوبکر کوفی حناط ہے جو ثقہ تو تھا لیکن تھوڑا تھوڑا شیعہ تھا[۳۵]۔ حافظ ابن

---

[۳۰] میزان الاعتدال ۳:۲۷۰۔

[۳۱] تہذیب الکمال ۲:۵۱۹۔

[۳۲] الکامل فی الضعفاء ۱:۲۵۸۔۲۵۹۔

[۳۳] تقریب التہذیب ص: ۳۵۔

[۳۴] میزان الاعتدال ۴:۳۹۲۔

[۳۵] الثقات از عجلی ص: ۳۸۵، ترجمہ ۱۳۶۰۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

حجر بھی اسے شیعہ بتاتے ہیں۔[36]

(۲) ایک راوی عبداللہ بن شریک غالی شیعہ تھا۔[37] امام جوزجانی فرماتے ہیں: 'کذاب' (بہت بڑا جھوٹا) تھا۔[38]

(۳) ایک راوی عبداللہ بن رقیم الکنانی الکوفی مجہول ہے۔[39]

۵۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ۔ ان کی روایت امام ابنِ جریر کی تفسیر ۶: ۳۰۷، فقرہ (۱۶۳۸۹)؛ امام طبرانی کی المعجم الکبیر ۱۱: ۳۱۶ (۱۲۱۲۷) اور حافظ ابنِ عدی کی الکامل فی ضعفاء الرجال ۴: ۲۳۹ میں موجود ہے جس میں درجِ ذیل اسنادی خامیاں موجود ہیں:

(۱) مرکزی راوی سلیمان بن قرم سیّئ الحفظ تھا اور شیعہ تھا۔[40] شیعیت میں افراط کا شکار تھا۔[41] اور امام ابن حبان کی تصریح کے مطابق غالی رافضی تھا اور احادیث و روایات قلب (ہیر پھیر) کیا کرتا تھا۔[42]

(۲) ایک راوی الاعمش ہے جس کا اصلی نام سلیمان بن مہران ہے جو مدلس[43] اور شیعہ تھا۔[44] جب کہ یہ روایت معنعن ہے۔ اور مدلس کی معنعن روایات نامقبول ہوئی ہے۔

(۳) الحکم بن عتیبہ جو مقسم بن بجرہ کا شاگرد ہے۔[45] ثقہ تو تھا، لیکن مدلس تھا[46] اور یہ روایت معنعن ہے۔

۳۶؎ تقریب التہذیب ص: ۲۷۷۔

۳۷؎ الضعفاء الکبیر از عقیلی ۲: ۲۶۶، ترجمہ: ۸۲۲؛ المجروحین از ابنِ حبان ۲: ۲۶۔

۳۸؎ احوال الرجال ص: ۴۹، ترجمہ ۲۵۔

۳۹؎ تقریب التہذیب ص: ۱۷۳۔

۴۰؎ تقریب التہذیب ص: ۱۳۵۔

۴۱؎ الضعفاء الکبیر ۲: ۱۳۷؛ الکامل فی ضعفاء الرجال ۴: ۲۴۰؛ تہذیب الکمال ۱۲: ۵۳۔

۴۲؎ المجروحین ۱: ۳۳۲۔

۴۳؎ تعریف اھل التقدیس ص: ۶۷؛ ترجمہ: ۵۵۔

۴۴؎ الثقات از عجلی ص: ۲۰۵۔

۴۵؎ تہذیب الکمال ۲۸: ۴۶۲۔

۴۶؎ تقریب التہذیب ص: ۸۰۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۶۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ: ان کی روایت امام نسائی کی السنن الکبریٰ ۵: ۱۲۸۔۱۲۹ (۸۶۴۱) میں موجود ہے۔لیکن اس کی سند میں بھی درجِ ذیل دو خرابیاں ہیں:

(۱) اس کا راوی ابواسحاق السبیعی ہے جس کا نام عمرو بن عبداللہ ہے، کثرت کے ساتھ تدلیس کیا کرتا تھا۔[47] اس کی یہ روایت معنعن ہے، جب کہ اصولِ حدیث کا قاعدہ ہے کہ مدلس کی معنعن روایت مردود ہوتی ہے۔

(۲) ایک راوی یونس بن ابی اسحاق السبیعی ہے۔اس راوی کے متعلق امام ابوبکر اثرم فرماتے ہیں: اس کی اپنے والد سے روایت کردہ حدیث ضعیف ہوتی ہے۔[48]

امام احمد اس کی روایت کو مضطرب جانتے ہیں۔[49]

امام ابوحاتم فرماتے ہیں: سچا ہونے کے باوجود اس کی روایت ناقابلِ احتجاج واستدلال ہے۔[50]

امام ساجی فرماتے ہیں: سچا تو تھا لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر فوقیت کا قائل تھا۔[51]

(جاری)

۴۷؎ تعریف اہل التقدیس ص: ۱۰۱، ترجمہ: ۹۱ (۲۵)۔

۴۸؎ تہذیب الکمال ۳۲: ۴۹۱۔

۴۹؎ العلل ومعرفۃ الرجال ۲: ۵۱۔

۵۰؎ الجرح والتعدیل ۹: ۲۴۴۔ترجمہ: ۱۰۲۴۔

۵۱؎ تہذیب التہذیب ۱۱: ۳۸۰۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

طالب محسن

قارئین کے خطوط وسوالات
پر مختصر مبنی جوابات کا سلسلہ

مسجد میں بچوں کو لے جانا

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سوال : میں جس مسجد میں نماز پڑھتا ہوں وہاں امام صاحب تواتر سے ہر جمعے کے خطبے میں فرماتے ہیں کہ چھوٹے بچوں کو مسجد میں نہ لایا کریں۔ان کا مسجد میں لانا منع ہے کیونکہ یہ مسجد میں شور کرتے ہیں۔پھر جماعت سے پہلے یوں فرماتے ہیں کہ سب بچوں کو صفوں کے آخری سروں پر کھڑا کریں۔

دوسری طرف مولانا صاحبان یہ بھی ذکر کرتے رہتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے نماز کے دوران میں آپ کے کندھوں پر چڑھ جاتے تھے اور آپ اس موقع پر لمبا سجدہ فرمایا کرتے تھے۔

ان دونوں پہلوؤں پر روشنی ڈالیے۔مزید یہ کہ میرے پوتے بڑے شوق سے میرے ساتھ جمعے کی نماز پڑھنے جاتے ہیں۔ہم انھیں ایک ایک کر کے اپنے بیچ میں کھڑا کر لیتے ہیں، تاکہ وہ باہم مل کر شور نہ کریں۔میرا خیال یہ ہے کہ ہم اگر ان کے مسجد جانے کے شوق کو برقرار رکھیں تو یہ خود ہی مسجد کے آداب سیکھ لیں گے۔ (محمد زبیر خان، لاہور)

جواب: آپ کا یہ خیال لائقِ تحسین ہے کہ آپ اپنے بچوں کو مسجد جانے اور نماز پڑھنے کا عادی بنانا چاہتے ہیں، لیکن بچوں کے معاملے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بالعموم یہی طریقہ اختیار کیا تھا کہ وہ الگ صف میں کھڑے کیے جائیں۔اس کی وجہ یہی سمجھ میں آتی ہے کہ نماز میں دھیان صرف اللہ کی طرف رہے کیونکہ بچوں

کی وجہ سے دھیان کے بٹنے کے امکانات بہت بڑھ جاتے ہیں۔لہٰذا بہتر یہی قرار دیا گیا کہ ان کی صف الگ ہو۔اس مصلحت کے پیشِ نظر یہ بھی بہتر لگتا ہے کہ ذرا زیادہ عمر کے بچے ہی مسجد میں لے جائے جائیں۔ بہرحال پنجگانہ نماز میں بچوں کی الگ صف بنانے میں کوئی دشواری نہیں ہے لہٰذا اس کا اہتمام کیا جائے تو بہتر ہے۔ یہاں یہ بات واضح رہے کہ یہ ایک تدبیر ہے، اسے اختیار کرنا لازم نہیں کیا گیا۔

باقی رہا معاملہ جمعہ اور عیدین کی نماز کا تو اس میں بچوں کی الگ صف بنانا ممکن نہیں لہٰذا ایک صورت تو یہ اختیار کی جاسکتی ہے کہ بچوں کو صف کے ایک طرف آخر میں کھڑا کیا جائے اور دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ وہ طریقہ اختیار کرلیا جائے جو آپ نے تجویز کیا ہے۔موجودہ حالات میں آپ کی تجویز زیادہ بہتر ہے۔

نشہ آور اشیا اور شراب

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سوال: آج کل نشہ کی عادت معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے اور گھن کی طرح اسے کھوکھلا کر رہی ہے۔ یہ مسئلہ دن بدن گھمبیر ہوتا جا رہا ہے۔اخبارات میں ان کے علاج کی اپیلیں شائع ہوتی ہیں۔لیکن علاج معالجے کے باوجود اس مسئلے کی شدت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔

میں نے علما سے سنا ہے کہ شراب پینے والے کے لیے اسلام میں سزا مقرر ہے۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ شراب کے علاوہ دوسری نشہ آور چیزیں مثلاً چرس، افیم اور ہیروئن کا معاملہ کیا ہے، کیا تمام نشہ آور اشیا شراب کی طرح حرام نہیں اور کیا یہ شرعاً قابلِ سزا نہیں؟ (محمد زبیر خان، لاہور)

جواب: قرآنِ مجید میں شراب کو ممنوع قرار دیا گیا ہے، لیکن اس کے پینے والے کے لیے کوئی سزا مقرر نہیں کی گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں شراب پینے والے کو حضور کے حکم پر زدوکوب کیا گیا۔یعنی کوئی متعین سزا نہیں دی گئی۔ حضرت ابوبکر کے زمانے میں شراب نوشی کی سزا چالیس کوڑے مقرر کی گئی اور بعد میں اس سزا کو دگنا یعنی اسی کوڑے کر دیا گیا۔اس تفصیل سے واضح ہے کہ یہ معاملہ حکمرانوں کے اختیار پر چھوڑ دیا گیا ہے۔وہ اس جرم کے ارتکاب پر کوئی بھی سزا تجویز کر سکتے ہیں۔

نشہ آور اشیا میں صرف شراب ہی حرام نہیں ہے۔تمام نشہ آور چیزیں حرام ہیں۔اور ان میں سے ہر ایک کے استعمال پر سزا دی جاسکتی ہے۔ یہ سزا ایک بھی ہوسکتی ہے اور نشہ آور اشیا کی نوعیت کے فرق کی بنا پر مختلف بھی۔ مجھے آپ کی اس بات سے اتفاق ہے کہ شراب ہی کی طرح دوسرے نشہ آور چیزوں کے استعمال کو جرم قرار

دینا چاہیے اور ان اشیا کے تیار کرنے والوں، بیچنے والوں اور استعمال کرنے والوں کو ان کے جرم کی شناعت کے مطابق سزا ملنی چاہیے۔

پل صراط اور تمثیل

سوال: میرے پل صراط سے متعلق سوال کا آپ نے بڑی تفصیل سے جواب دیا۔ایک چھوٹی سی وضاحت اور فرما دیجیے۔کیا دنیوی زندگی ہی کو تمثیلاً پل صراط کہا گیا ہے یا قیامت میں واقعی پل ہوگا؟

(محمد زبیر خان، لاہور)

جواب: میں نے اپنے سابقہ جواب میں متعلقہ روایات بھی درج کی تھیں[1]۔ان روایات کی روشنی میں یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ دنیوی زندگی قیامت میں اس طرح ممثل ہو جائے گی جس طرح کہ روایات میں بیان ہوا ہے۔لیکن اس کی حقیقت امورِ متشابہات میں سے ہے لہٰذا اس واقعے کی نوعیت متعین کرنا ممکن نہیں۔

میں نے یہ بھی واضح کیا تھا کہ یہ کوئی نئی آزمایش نہیں ہے، بلکہ اسی آزمایش کا تمثیلی مظہر ہے، جس سے ہم اس دنیا میں دوچار ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ہجرت کے حالات

سوال: سورۂ نساء کی آیات ۹۷۔۹۹ میں ارشاد ہے:

''جو لوگ اپنا برا کر رہے ہیں جب ان کی جان فرشتے نکالیں گے تو وہ ان سے پوچھیں گے تم کس حال میں تھے۔وہ کہیں گے ہم خدا کی زمین میں بے بس تھے۔فرشتے کہیں گے کیا خدا کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم وطن چھوڑ کر وہاں سے چلے جاتے۔یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے۔مگر وہ بے بس مرد عورتیں اور بچے جو کوئی تدبیر نہیں کر سکتے اور کوئی راہ نہیں پا رہے ہیں۔یہ لوگ توقع ہے کہ اللہ انھیں معاف کر دے گا۔اور اللہ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔''

یہاں پر ''جو لوگ برا کر رہے ہیں'' سے کیا مراد ہے؟ کیا کشمیر، چیچنیا اور کسووا میں بسنے والے

---

[1] دیکھیے ''اشراق''، ستمبر ۲۰۰۰، ص ۶۸۔

مسلمانوں پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا ؟ کیا یہ آیات ان لوگوں سے مخاطب ہیں جو ایسی جگہوں پر رہ رہے ہیں جہاں احکامِ الٰہی کی بجا آوری مشکل ہے اور فساد کا خطرہ ہے؟ ایسی صورت میں جو لوگ امریکہ اور یورپ جانے کی سعی کرتے ہیں ان کے لیے کیا شرعی احکام ہیں؟

(سیف الرحمان عباسی، راولپنڈی)

جواب: یہ آیات ان مقامات پر رہنے کو غلط قرار دے رہی ہیں، جہاں اپنے عقیدے پر عمل سے بالجبر روکا جا رہا ہو۔ چنانچہ ایسے علاقوں میں رہنے والے وہ لوگ جو کسی طرف نکل سکتے تھے اور نہ نکلیں، قیامت کے دن ان کا عذر قبول نہیں کیا جائے گا۔ یہ صورت جہاں بھی مسلمانوں کو درپیش ہو ان کے لیے ہجرت کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ آپ نے کشمیر اور چیچنیا کا ذکر کیا ہے، ان علاقوں میں اگر مسلمانوں کو بالجبر غیر اسلامی طریقے اپنانے پڑتے ہیں تو ہجرت کا راستہ اختیار کرنا ہی ان کے دین کا تقاضا ہے۔ ہمارے علم کی حد تک اس وقت مذکورہ ممالک میں سے کسی بھی ملک میں مسلمانوں کو یہ صورت درپیش نہیں ہے۔ لہٰذا آیت کے حوالے سے ان علاقوں سے ہجرت کا کوئی سوال نہیں۔ اصل میں فلسطین، کشمیر اور چیچنیا میں آزادی کی جدوجہد کی جا رہی ہے اور وہاں درپیش سارے مسائل اسی جدوجہد کے حوالے سے ہیں۔

باقی رہا امریکہ یا یورپ میں قیام تو وہاں مسلمانوں کو یہ جبر تو درپیش نہیں ہے۔ البتہ وہاں کے حالات صحیح اسلامی زندگی گزارنے کے لیے سازگار نہیں ہیں۔ اس مصلحت کے پیشِ نظر بس اتنی بات کہی جا سکتی ہے کہ معاشی جدوجہد کے لیے اپنے ملک کو ترجیح دی جائے تو یہ زیادہ بہتر ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

کفار سے دوستی

سوال: قرآنِ مجید میں کئی جگہ کفار کی مسلمانوں سے دشمنی کا ذکر ہے اور کفار کی دوستی کو فریب کہا گیا ہے۔ کیا اس کا اطلاق موجودہ زمانے پر بھی ہے۔ جبکہ بہت سے غیر مسلم ہمارے ساتھی طالب علم ہیں اور اچھے دوست ہیں۔ (سیف الرحمان عباسی، راولپنڈی)

جواب: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کفر اور اسلام کی کشمکش اپنے عروج پر تھی۔ دشمن ہر اعتبار سے اسلام کی بیخ کنی کے درپے تھا اور اسلام کے ماننے والے کسی بھی طرح اپنے موقف سے دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں تھے، بلکہ وہ اپنے جان و مال کے ساتھ دین کے لیے میدانِ کارزار میں اترے ہوئے تھے۔

اس صورتِ حال میں دشمن کے ساتھ دوستی درحقیقت اپنے دین کے ساتھ تعلق میں کمی کی علامت قرار پاتی تھی اور دشمن کی دوستی کی کوشش بھی کسی خلوص پر مبنی نہیں تھی۔ موجودہ زمانے میں وہ صورتِ حال نہیں ہے۔ لہٰذا کسی غیر مسلم سے دوستی میں حرج نہیں ہے۔ البتہ جہاں ایسا ہو وہاں دین کے تقاضوں کو ہر حال میں ترجیح دی جائے گی۔ اگر ہم تعلقات کے معاملے میں اس ارشادِ پیغمبر کو پیشِ نظر رکھ سکیں تو یہ ہمارے لیے ایک کسوٹی بن سکتا ہے کہ جس نے اللہ کی خاطر دوستی کی اور جس نے اللہ کی خاطر دشمنی کی، وہ مومن ہے۔

غیر مسلم کے نیک اعمال

سوال: کوئی ایسا شخص جس تک اسلام کی دعوت نہ پہنچ سکی ہو، لیکن وہ اپنے فہم کے مطابق پاکیزہ اور صاف ستھری زندگی گزارتا ہے تو اس صورت میں اس کے پاکیزہ اعمال کی کیا حیثیت ہو گی؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اور جو شخص کوئی نیک کام کرے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت (بشرطیکہ وہ مومن ہو) تو ایسے لوگ ضرور جنت میں جائیں گے۔'' (سیف الرحمان عباسی، راولپنڈی)

جواب: قیامت کے دن حق کے منکر سخت عذاب سے دوچار ہوں گے۔ یہ بات بطور اصول بالکل واضح ہے۔ البتہ یہ فیصلہ کہ کوئی شخص حق کا منکر ہے انتہائی عدل کے ساتھ کیا جائے گا۔ چنانچہ اس معاملے میں اگر ایک فرد کوئی حقیقی عذر رکھتا تھا تو یہ عذر قبول کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے عدل پر اس یقین کی روشنی میں ہم یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ وہ شخص جس کو اسلام کی دعوت نہیں پہنچی، لیکن وہ اپنے علم وفہم کے مطابق نیکی کے راستے پر چلنے کے لیے کوشاں رہا، وہ جنت میں جائے گا۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

قیامت سے پہلے جنت یا جہنم

سوال: انسان کی کامیابی یا ناکامی دوسرے لفظوں میں انسان کے لیے جنت یا دوزخ کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا، لیکن اکثر علما وعظ کے دوران میں بتاتے ہیں کہ فلاں شخص نے نیک عمل کیا تو اللہ نے اسے جنت عطا کر دی یا فلاں شخص نے ساری زندگی گناہوں کی دلدل میں گزاری لیکن فلاں نیک عمل کی وجہ سے اللہ کے دربار میں سرخرو ٹھیرا اور جنت کا حق دار بن گیا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ روزِ جزا وسزا سے پہلے جنت یا جہنم کے حق دار کیسے ٹھہرے۔ نامۂ اعمال تو روزِ آخرت اللہ کے سامنے

پیش ہوگا اور کامیابی کا فیصلہ اس دن ہوگا، لیکن اس سے پہلے؟ (سیف الرحمان عباسی، راولپنڈی)

جواب: اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جنت اور دوزخ کا حتمی فیصلہ قیامت کے بعد ہی ہوگا۔ لیکن قرآنِ مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ برزخ کی زندگی ہی میں واضح ہو جاتا ہے کہ آدمی کا کیا انجام ہونے والا ہے۔ مواعظ میں بیان کیے گئے یہ واقعات نہ قرآنِ مجید سے ماخوذ ہیں اور نہ ان کا ماخذ صحیح روایات ہیں۔ لہٰذا ان کی کوئی دینی حیثیت نہیں ہے۔ البتہ اگر انھیں محض برزخ کی زندگی میں ملنے والی خوش خبری قرار دے دیا جائے تو یہ ایک قابلِ قبول بات ہے۔

انعامی اسکیمیں اور جوا

سوال: آپ نے میرے ایک سوال کے جواب میں لکھا تھا کہ ''اگر انعام کے لالچ میں ہم کوئی چیز خریدیں اور انعامی کوپن پر کر کے روانہ کر دیں تو اس پر نکلنے والا انعام ناجائز ہوگا۔ جبکہ اگر بغیر انعام کی نیت کے کوئی چیز خریدی جائے اور اس پر اتفاقاً انعام نکل آئے تو یہ صورت مباح ہے۔ ایسے معاملات میں اصل فیصلہ دل کرے گا۔'' میرا سوال یہ ہے کہ مولانا عبدالمالک نے ایسے ہی سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا تھا کہ چونکہ ہم اپنی ادا کردہ قیمت کے بدلے چیز لے چکے ہوتے ہیں اور ہماری دولت داؤ پر نہیں لگتی، اس لیے اسے جوا قرار نہیں دیا جا سکتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب ہم کوپن بھیجیں گے تو لازماً ہماری نیت انعام کی ہوگی۔ ایسی صورت میں آپ کی رائے وضاحت کی محتاج ہے۔ (محمد صفتین، راولپنڈی)

جواب: مولانا عبدالمالک کا جواب جوئے کی متعینہ تعریف کی روشنی میں ہے۔ انعامی کوپن کی ان سکیموں میں جوا اپنی کامل صورت میں نہیں ہوتا۔ لہٰذا انھیں بعینہ جوا قرار دینا مشکل ہے۔ البتہ ان سکیموں میں جوئے کی روح موجود ہے۔ خاص طور پر اس صورت میں جب آدمی انعام ہی کی غرض سے کوئی چیز خریدتا ہے۔ اس سے کمتر سطح وہ ہے، جس میں شے کسی دوسرے محرک سے خریدی گئی لیکن کوپن بھر کر بھیج دیا گیا۔ اسی لیے میں نے اس انعام کو سب سے محفوظ صورت قرار دیا ہے جو اتفاقاً نکل آئے اور انعام وصول کرنے والے نے اس طرح کی انعامی اسکیم میں شرکت کی کوئی تدبیر اختیار نہ کی ہو۔ یہ بات میں پھر بیان کر دوں کہ اشیائے صرف پر جاری کی گئی انعامی سکیموں کو صریحاً جوا قرار نہیں دیا جا سکتا۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

بدشگونی اور طبی امراض

سوال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض احادیث سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ وبائی امراض کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہامہ، بیماری لگنا اور شگونِ بد کوئی چیز نہیں ہے۔''

جبکہ جدید دور میں میڈیکل سائنس کی تحقیق یہ ہے کہ مرض ایک شخص سے دوسرے شخص میں منتقل ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک دوسری جگہ آپ نے ایک شخص کو دوسرے مریض شخص سے دو فٹ کے فاصلے سے بات چیت کرنے کی ہدایت کی۔ جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجہ بالا حدیث کی نفی ہوتی ہے۔ اس بارے میں وضاحت کر دیجیے۔ (محمد صفتین، راولپنڈی)

جواب: یہ دونوں روایتیں الگ الگ موقع کی ہیں۔ پہلی روایت میں بدشگونی کی مختلف شکلوں یعنی 'طیرة'، 'هامة' اور 'صفر' پر 'عدوی' کے عطف سے واضح ہے کہ معاملہ توہم پرستی کی تغلیط کا ہے۔ ہماری اس بات کی تائید مفصل روایت کے مطالعے سے ہو جاتی ہے:

عن ابی هريرة قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لا عدوی و لا طيرة و لا صفر و لا هامة۔ فقال اعرابی: ما بال الابل تكون فی الرمل كأنها الظباء فيخالطها البعير الأجرب فيجربها۔ قال: فمن أعدى الاولى۔

(ابوداؤد، کتاب الطب، باب ۳۵)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیماری کا متعدی ہونا، بدشگونی، پیٹ کے سانپ[1] اور پرندے یا الو کے گرنے[2] کی کوئی حقیقت نہیں۔ آپ کی یہ بات سن کر ایک بدو نے پوچھا: ان اونٹوں کا کیا معاملہ ہے جو صحرا میں بھلے چنگے ہوتے ہیں، گویا کہ وہ ہرنوں کی طرح (چاک و چوبند) ہیں۔ پھر ان میں ایک بیمار اونٹ آ ملتا ہے جو انھیں بیمار کر دیتا ہے۔ آپ نے پوچھا: پہلے کو کس نے بیمار کیا تھا۔''

---

[1] عربوں کا خیال تھا کہ بھوک کی شدت میں پیٹ کی اینٹھن کا باعث ایک سانپ ہے۔

[2] زمانۂ جاہلیت کے عربوں کے نزدیک الو کے گھر میں اترنے سے مصیبتیں آتی ہیں۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

اس روایت میں بیان کی گئی تمام مثالیں عربوں کے توہمات سے متعلق ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تردید کی ہے۔اسی طرح بیماری کے متعدی ہونے کے ساتھ توہم کا وابستہ ہونا بھی شرک کا راستہ کھولتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی ساتھ شامل کرلیا ہے۔آپ ﷺ کا یہ پوچھنا کہ ''پہلے کو کس نے بیمار کیا۔'' درحقیقت خدا کے فیصلے اور اذن کی طرف متوجہ کرنے کے لیے ہے۔

آپ نے جس دوسری روایت کا ذکر کیا ہے، اس کا تعلق احتیاطی تدبیر سے ہے۔اور دنیوی اعتبار سے مناسب تدابیر اختیار کرنا بھی دین کے مطابق ہے، البتہ تدابیر اختیار کرتے ہوئے یہ واضح رہنا چاہیے کہ کوئی تدبیر اللہ تعالیٰ کے اذن وتوفیق کے بغیر موثر نہیں ہوتی۔

راضی نامہ

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سوال: سورۂ نساء میں ہے: ''ان عورتوں میں سے جن کو تم کام میں لائے ان کو ان کا طے شدہ مہر دو اور مہر ٹھیرانے کے بعد جو تم نے آپس میں راضی نامہ کیا ہو تو اس میں کوئی گناہ نہیں۔'' یہاں پر راضی نامہ سے کیا مراد ہے۔(سیف الرحمان عباسی، راولپنڈی)

جواب: یہاں راضی نامہ سے مراد مہر کی رقم میں تخفیف پر فریقین کا راضی ہونا ہے۔

سزا میں فرق

سوال: سورۂ نساء میں ہے کہ مردوں کی بدکاری کی سزا میں اذیت پہنچانے کا ذکر ہے اور عورتوں کو صرف گھروں میں قید کرنے کا۔حالانکہ دونوں ایک جیسے قبیح فعل کے مرتکب ہوئے ہیں؟

(سیف الرحمان عباسی، راولپنڈی)

جواب:'والتی یاتین الفاحشة' والی آیت کا تعلق قحبہ عورتوں سے ہے اور 'والذان یاتیانها' کا چوری چھپے یاری آشنائی گانٹھنے والے جوڑوں سے۔ دونوں احکام عارضی تدبیر کے طور پر تھے۔ بعد میں باقاعدہ سزائیں نافذ کی گئی تھیں۔

بندۂ مومن اور جسدِ خاکی

سوال: اکثر سنا جاتا ہے کہ اللہ کے بندوں کے جسموں کو کچھ بھی نہیں ہوتا حتیٰ کہ کفن بھی صدیاں گزر جانے کے باوجود خراب نہیں ہوتا۔ شریعت کی رو سے اس کی کیا اہمیت ہے؟ (راشد امداد، سیالکوٹ)

جواب: یہ شریعت کا مسئلہ نہیں ہے۔ یہ بات نہ قرآنِ مجید میں بیان ہوئی ہے اور نہ احادیث میں۔ اس کا انحصار مختلف واقعات کے مشاہدے پر ہے۔ اس معاملے میں دین کی روشنی میں نفیاً یا اثباتاً کوئی بات کہنا نصوص ہی کی بنیاد پر ممکن ہے۔ لہٰذا نصوص کی عدم موجودگی میں کسی میت کے محفوظ رہنے کی اطلاع یقینی ذرائع سے ملے تو اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔

اس ضمن کی ایک دلچسپ بات حضرت یوسف علیہ السلام کی وصیت کے حوالے سے بائیبل میں بیان ہوئی ہے۔ آپ نے وصیت کی تھی کہ جب بنی اسرائیل مصر چھوڑ کر جائیں تو میری قبر سے میری ہڈیاں نکال کر ساتھ لے جائیں۔ اگر یہ وصیت انھی الفاظ میں کی گئی تھی، یعنی ترجمے کی وجہ سے کوئی خرابی نہیں ہوئی تو پھر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ نیک آدمی کے جسم کا محفوظ رہنا کوئی لازمی امر نہیں ہے۔ یہ عمل کچھ اور مصالح کے تحت ہوتا ہے جن کا علم نہیں دیا گیا۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

دعوت کا کام

سوال: مجھے مشورہ دیجیے کہ مجھے دعوت کا کام کیسے کرنا چاہیے۔ (راشد امداد، سیالکوٹ)

جواب: دعوت کے کام کے دو میدان ہیں۔ ایک دعوت وہ ہے جس میں ایک آدمی لوگوں کے سامنے دین کی شرح و وضاحت کرتا، بدعات اور فکری انحرافات کی نشان دہی کرتا اور اس سارے کام کے لیے عقل و نقل کے اصولوں کے مطابق فکری بحثیں کرتا ہے۔ اس دعوت کے لیے 'تفقه في الدين' کی شرط ہے۔ اس اہلیت کے بغیر یہ کام انجام دینا قرآنِ مجید کی نص سے روگردانی ہے۔ دوسری دعوت وہ ہے، جس میں داعی خدا اور بندے کے حقوق کے ادا کرنے کی یاددہانی کراتا ہے۔ یہ کام کرتے ہوئے داعی اصل میں کسی عالمِ دین سے وابستہ ہوتا ہے۔

آپ اپنے موجودہ حالات میں یہی کام کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو استقامت اور بے خوفِ لومۃِ لائم،

محض آخرت کے جذبے اور مجادلہء احسن کے اسلوب میں اس کام کی توفیق دے۔ اس موضوع پر تفصیل کے لیے آپ استاذ محترم کی کتاب ''قانونِ دعوت'' کا مطالعہ ضرور کر لیں۔

ملکِ یمین

سوال: سورۂ نساء میں فرمایا گیا ہے: ''اور اگر تم کو اندیشہ ہو کہ تم عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی نکاح کرو یا جو کنیز تمھاری ملک میں ...... '' اس آیہ میں 'یا جو کنیز تمھاری ملک میں ہو' سے کیا مراد ہے؟ کیا کنیز سے ازدواجی تعلقات استوار کیے جا سکتے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو یہ بدکاری نہ ہو گی؟

(سیف الرحمان عباسی، راولپنڈی)

جواب: ملک یمین سے مراد وہ مرد و عورت ہیں جو جنگ میں قیدی بنے ہوں اور انھیں فاتح لشکر کے افراد میں تقسیم کر کے ان کی ملکیت قرار دے دیا گیا ہو۔ یہ قدیم زمانوں کا ضابطہ تھا۔ اسلام نے اسے ایک ایسی برائی کی حیثیت سے پایا جو معاشرے میں پھیلی ہوئی تھی چنانچہ اس نے غلاموں کی حالت کی بہتری کے ساتھ ساتھ غلامی کے خاتمے کے اقدامات بھی کیے۔ یہ آیت لونڈی کے بارے میں اسی عبوری دور کا حکم بیان کرتی ہے۔ چنانچہ اس میں لونڈی کے ساتھ زوجی تعلق کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ اس وضاحت کی ضرورت ہی اس لیے پیش آئی تھی کہ لوگ لونڈی کے ساتھ اس تعلق کو ناجائز نہ سمجھیں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

زکوٰۃ کی شرح

سوال: اشراق جولائی ۲۰۰۰ میں محمد بلال صاحب کی ایک تحریر ''ٹیکس ـــــ ایک دینی مسئلہ'' میں زکوٰۃ کی بیان کی گئی پانچ اور دس فیصد شرحوں کی بنیاد کیا ہے۔ جبکہ میرے مطالعے اور چھان پھٹک کے مطابق زکوٰۃ کی شرح صرف ڈھائی فیصد ہے۔ (عبد الجبار)

جواب: اس سوال کی وجہ بلال صاحب کے مضمون میں زکوٰۃ کی اصطلاح کا وسیع مفہوم میں استعمال ہے۔ قرآن و حدیث میں یہ لفظ جس طرح سونا چاندی یعنی نقود کی زکوٰۃ کے لیے استعمال ہوتا ہے، اسی طرح یہ زرعی اجناس کی زکوٰۃ یعنی عشر اور نصف عشر کے لیے بھی آتا ہے۔ ظاہر ہے، پہلی قسم کی شرح ڈھائی فیصد اور دوسری کی پانچ اور دس فیصد ہے۔ یہ دونوں شرحیں فقہ و حدیث کی کتب میں الگ عنوانات کے تحت بیان ہوئی ہیں۔ اس

میں کوئی نئی بات نہیں ہے، جسے ثابت کرنے کے لیے حوالے کی ضرورت پیش آئے۔

نکاح میں لڑکی کی رضامندی

سوال: شادی ایک مقدس فریضہ ہے، لیکن ہمارے معاشرے میں اس کو ایک مصیبت بنا دیا گیا ہے۔ بالخصوص لڑکیوں کے معاملے میں تو صورتِ حال اور بھی سنگین ہے۔ والدین انھیں ایک بوجھ سمجھ کر سر سے اتار دینا چاہتے ہیں اور اس ضمن میں ان کی پسند و ناپسند کا بھی خیال نہیں رکھا جاتا۔ دراصل میں خود بھی آج کل اسی مسئلے کا شکار ہوں۔ میں جاننا چاہتی ہوں کہ اس بارے میں اسلام کا حکم کیا ہے؟

جواب: شادی کے حوالے سے لڑکی کی رضامندی ایک ضروری چیز ہے۔ اس کو نظر انداز کرنا کسی بھی اعتبار سے درست نہیں۔ اگر لڑکی کسی نکاح کے معاملے میں رضامند نہ ہو تو یہ نکاح نہیں ہوتا۔ البتہ نکاح کے ضمن میں یہ احتیاط بھی ملحوظ رہنی چاہیے کہ لڑکی کے والدین یا اولیا اور اسی طرح لڑکے کے والدین یا اولیا بھی راضی ہو کر شریک ہوں۔ اگرچہ ایسا ہونا نکاح کے درست ہونے کے لیے شرط نہیں ہے، لیکن اس کو ملحوظ نہ رکھنے کے نتیجے میں بہت سی معاشرتی پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور نئے جوڑے کی زندگی بھی اجیرن ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ولی کی رضامندی کی بڑی تاکید کی ہے۔

آپ کے لیے میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ اپنی والدہ کے ساتھ الگ بیٹھ کر اپنی مرضی بیان کر دیں۔ لڑکی کا اپنی مرضی بیان کرنا یا کسی لڑکے کو پسند کرنا بالکل معیوب نہیں۔ اصل میں وہ معاشرت نامطلوب ہے جو دورِ جدید میں پیدا ہو گئی ہے اور لڑکے لڑکیاں آزادانہ گھومتے اور دوستیاں کرتے ہیں۔ پاکیزگی، حیا اور آدابِ معاشرت کو ملحوظ رکھتے ہوئے لڑکی کا اپنی بات کہنا ایک موزوں عمل ہے۔ ضرورت اس چیز کی ہے کہ لڑکی اپنے والدین کی رائے کو بھی انصاف کے ترازو میں تولے اور جذبات کی رو میں بہ کر ان کے تجربے سے فائدہ اٹھانے سے محروم نہ رہے۔ اسی طرح والدین کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی اولاد کے جذبات کا لحاظ کریں اور محض سماجی رسوم کی پیروی ہی کو اپنا مقصود نہ بنا لیں۔

---

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

(مدیرِ ''اشراق'' کے نام آنے
والے خطوط اور ان کے جوابات)

برادرِ عزیز جاوید صاحب

السلام علیکم

پچھلے دنوں آپ کا رسالہ نظر سے گزرا آپ کے مضامین سے میرے اندر ایک نیا جذبہ پیدا ہوا۔ اس سے قبل بھی آپ کی تقاریر گورنمنٹ کالج سرگودھا اور کامرس کالج میں سن چکا ہوں اور آپ سے مقالات اور رہنمائی کا خواہش مند ہوں۔

میں نے گورنمنٹ کالج سرگودھا سے بی اے کیا اور اس کے بعد کچھ مجبوریوں کے باعث سرکاری ملازمت کی بیڑی اپنے پاؤں میں ڈالنا پڑی۔ آج کل یہاں فیصل آباد میں 'Statistical Assistant' کے طور پر کام کر رہا ہوں۔ میری شروع سے یہ خواہش رہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ علم حاصل کروں اور اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتیں اور قابلیتیں صرف کر کے اللہ کی رضا حاصل کروں۔

لیکن علم کے حصول کے لیے عربی، فارسی اور انگریزی سے عدم واقفیت کے باعث علم کے بہت سے دروازوں کو اپنے لیے بند پایا۔ اب آپ سے مشورہ چاہوں گا کہ عربی سیکھنے کے لیے کہاں سے ابتدا کروں۔ کون کون سی ابتدائی کتب اس سلسلے میں موزوں ثابت ہو سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ اور کوئی مفید مشورہ، جس سے کہ میں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کر سکوں، دیں۔

رسالے کے لیے کوپن پُر کر کے بھیج رہا ہوں۔ براہِ کرم رسالے کے ساتھ ہی اگر مجھے آپ کی طرف سے کچھ رہنمائی مل گئی تو سعادت سمجھوں گا۔

میں نے اردو میں لکھے گئے اسلامی لٹریچر کا کچھ مطالعہ کیا ہے۔ ابوالاعلیٰ مودودی کا تقریباً سارا لٹریچر سید

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

قطب شہید، ابوالحسن علی ندوی اور مولانا امین احسن اصلاحی کی کچھ کتابوں سے مستفید ہو چکا ہوں۔ اچھا اجازت چاہتا ہوں۔

خدا حافظ

ملک میاں محمد

(فیصل آباد)

---

۱۶ اکتوبر ۱۹۸۶

محترمی و مکرمی جناب میاں محمد صاحب

السلام علیکم ورحمتہ اللہ

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

عنایت نامہ ملا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ان مقاصد کے حصول میں کامیاب کرے جن کا آپ نے اپنے خط میں اظہار کیا ہے۔ عربی زبان کی تحصیل کے بارے میں کوئی مشورہ آپ کے حالات سے پوری آگاہی کے بعد ہی دیا جا سکتا ہے۔

آپ کو اگر زحمت نہ ہو تو کبھی لاہور تشریف لائیے۔ ملاقات کی صورت میں آپ کی بہتر رہنمائی کی جا سکتی ہے۔

والسلام

جاوید احمد

---

۹ جون ۱۹۸۷

محترمی جناب جاوید صاحب

سلام مسنون

خدا کرے آپ اچھے ہوں، میں چند دنوں کے لیے علی گڑھ سے کراچی آیا ہوں۔ ۱۸ جون کو یہاں سے انڈیا کے لیے روانہ ہو رہا ہوں۔ ہم لوگ علی گڑھ سے ''علوم القرآن'' کے نام سے ایک رسالہ نکالتے ہیں آپ کو برابر بھیجتے رہتے ہیں۔ اس لیے ''علوم القرآن'' آپ کے لیے اجنبی نہیں ہو گا۔ اس کے تمام کرتا دھرتا ''مدرستہ الاصلاح'' کے فرزندان ہیں۔ ہمارے تیسرے شمارہ میں آپ کی کتاب سے ایک باب ''قرآن و

سنت کا باہمی ربط‘‘ موجود ہے۔ پسند کیا گیا، خدا آپ کو اور زورِ قلم دے کہ آپ اسلام کی خدمت کر سکیں۔

آپ سے درخواست یہ ہے کہ آپ اپنا رسالہ ’’ادارۂ علوم القرآن‘‘ کو ارسال کرتے رہیں۔ ہم آپ کے بے پناہ شکر گزار ہوں گے ’’علوم القرآن‘‘ برابر آپ کو ملتا رہے گا۔ توقع ہے کہ ’’اشراق‘‘ جاری کر دیں گے۔ آپ کا قلمی تعاون چاہیے۔ اگر کوئی مضمون قرآن سے متعلق ہو تو ادارہ کے پتا پر ارسال کر دیں، کرم ہو گا۔ انڈیا کے پتا پر جواب کا انتظار رہے گا۔

والسلام

ابوسفیان اصلاحی

انڈیا

---

۱۴ جون ۱۹۸۷

محترمی و مکرمی ابوسفیان صاحب

السلام علیکم

عنایت نامہ ملا۔ ’’اشراق‘‘ اس ماہ سے ان شاء اللہ آپ کے نام جاری کر دیا جائے گا۔ اس سے پہلے بھی حقیقت یہ ہے کہ کوتاہی ہوئی۔ اس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ ’’اشراق‘‘ اگر اپنی برادری کے نام بھی جاری نہ ہو گا تو پھر کس کے نام جاری ہو گا؟

آپ کی عنایت ہے کہ آپ اپنا رسالہ ’’علوم القرآن‘‘ میرے نام ارسال کرتے رہے، لیکن افسوس ہے کہ اس کا کوئی شمارہ مجھے کبھی نہیں ملا۔ مولانا محترم کے نام آپ کا رسالہ دو مرتبہ آیا۔ انھی سے لے کر میں نے دیکھا ہے۔ رات خالد مسعود صاحب نے بتایا کہ اب تک اس کے چار شمارے شائع ہو چکے ہیں۔ آخری دو شمارے یہاں کسی کے پاس بھی نہیں پہنچے۔ غالباً ڈاک کے نظام میں کسی خرابی کی وجہ سے ہم ارمغانِ ’’الاصلاح‘‘ سے محروم رہے۔ آپ کے لیے اگر ممکن ہو تو پچھلے شمارے ارسال کر دیجیے۔ نوازش ہو گی۔ ماہِ جولائی سے ’’اشراق‘‘ اگر نہ ملے تو براہِ کرم مطلع کیجیے۔

فرزندانِ مدرسہ کے لیے سلام و آداب۔

والسلام

جاوید احمد

---

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

۱۰جون ۱۹۸۷

جناب محترم جاوید صاحب

السلام علیکم

خیریت موجود۔ خیریت مطلوب۔

آج کل ہم لوگ آرمی کے ساتھ 'attach' ہیں۔ میں (عتیق الرحمان) اور میرے دو دوسرے ساتھی ۴۰ پنجاب کی یونٹ کے ساتھ ہیں جو نوسیری مظفرآباد سے ۳۴ کلومیٹر مزید آگے پہاڑی علاقے میں ہے۔ موسم ٹھنڈا ہے۔ میں خط لکھ کر آپ کو زحمت دے رہا ہوں، لیکن امید ہے کہ آپ خط کا جواب ضرور دیں گے۔ کچھ سوال تھے جن کے بارے میں آپ سے معلوم کرنا تھا۔ علاوہ ازیں اگر ممکن ہو سکے تو ماہِ جون کا شمارہ ''اشراق'' جس میں تصوف پر آپ کا مضمون ہوگا، نیچے دیے گئے پتے پر بھجوا دیں، مہربانی ہوگی۔ میں نے اپنا تفصیلاً تعارف خط کے شروع میں نہ کروایا، اب کروائے دیتا ہوں۔ میرا تعلق CPT ۱۴ سے ہے۔ آپ سے اسلامیات اکیڈمی میں پڑھتے تھے۔ خالد صاحب سے عربی پڑھی۔ ایک دفعہ آپ کے گھر بھی آیا تھا۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

۱۔ تاش (جو صرف وقت گزاری کے لیے کھیلا جائے) جوا نہ ہو اور آدمی اس کھیل کی وجہ سے اپنے فرائض واجبات سے غافل نہ ہو، اسی طرح شطرنج (Chess) کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا کوئی ایسا کھیل ہے جو اسلام میں ممنوع ہو؟

۲۔ آپ نے ہمیں بتایا تھا کہ اسلام میں تربیت اور پرورش کی آسانی کے لیے پیدایش میں وقفہ جائز ہے اس کے لیے 'Preventive measures' بھی جائز ہیں، مگر آج کل لوگ عورتوں کا آپریشن کراتے ہیں یا نس بندی تاکہ مزید اولاد نہ ہو۔ میرے خیال میں یہ ناجائز ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

دوسرا ایک طریقہ یہ ہے کہ مرد حضرات کنڈوم استعمال کرتے ہیں اسی طرح عورتوں کو I-U-C-D (Intra Utrus Cephti Devicee) استعمال کرنے کا کہا جاتا ہے۔ کیا یہ I-U-C-D جائز ہے یا ناجائز؟ یہ 'Permanent' نہیں، بندہ جب چاہے نکلوا سکتا ہے۔

۳۔ جب حکومت نے اسلامی بینکاری نظام شروع کیا تو ہم نے یہ سوچ کر کہ اس نظام کو تقویت ملے 'PLS' اکانٹ میں اپنی بچتیں رکھیں، مگر بعد میں آپ سے بات چیت کر کے معلوم ہوا کہ یہ سب فراڈ ہے، یہ صاف سود ہے۔ اس سے توبہ کی، بلکہ آپ کے کہنے کے مطابق انعامی بانڈ بھی چھوڑ دیے اور 'NIT' یونٹ

خریدے، مگر دل و دماغ میں ایک الجھن سی ہے کہ پچھلے کئی برسوں سے بینک نے 'PLS' کے تحت جو سود دیا اس کا کیا کریں۔ کیا وہ صدقہ کر دیا جائے؟ اگر معلوم نہ ہو سکے کہ کتنا سود ملا تو پھر کیا کیا جائے؟

۴۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد جب ایک شخص نوکری کرتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ والدین کی خدمت کرے انھیں ساتھ رکھے، مگر والدین اُس کے ساتھ رہنا نہیں چاہتے ان کے پاس روپے پیسے کی بھی کمی نہیں ہے۔ اب اگر وہ ان کے ساتھ گاؤں میں رہتا ہے تو اسے کئی مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کے بچے گاؤں کے ماحول میں خراب ہوتے ہیں گالیاں سیکھتے ہیں اور وہ شہر میں کھانے پکانے کی تکلیف میں رہتا ہے۔ والدین کہتے ہیں کہ ہم گاؤں ہی میں رہیں گے۔ سوال یہ ہے کہ وہ کیا کرے۔ جواب دیتے وقت دو چیزیں پیش نظر رہیں۔ والدین کو کھانے پکانے وغیرہ میں کوئی دقت نہیں۔ ان کی بیٹیاں ہیں اور دوسرے لڑکے کی بیوی بھی ہے۔ دوسرے والدین کے پاس ان کی مدد کے لیے کوئی نہیں ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

والسلام

عتیق الرحمان

مظفر آباد

۱۴جون ۱۹۸۷

محترمی و مکرمی جناب عتیق الرحمان صاحب

السلام علیکم ورحمتہ اللہ۔

آپ کے سوالات کے جوابات سلسلہ وار درجِ ذیل ہیں:

۱۔ جن کھیلوں کا آپ نے ذکر کیا ہے، یہ سب بے فائدہ کھیلوں کے زمرے میں آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ بندۂ مومن کو فضول کاموں سے بچنا چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ آدمی کے اسلام کا حسن یہی ہے کہ وہ بے کار کاموں سے اجتناب کرے۔ چنانچہ ایک اچھے مسلمان کو کوشش کرنی چاہیے کہ وہ ان کھیلوں میں اپنا وقت صرف کرے جو جسم اور ذہن کی نشو و نما کے لیے مفید ہیں۔

۲۔ جن مقاصد کا آپ نے ذکر کیا ہے، ان کے لیے مانعِ حمل آلات استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ تاہم نس بندی وغیرہ بالکل ممنوع ہے۔ اس کی اجازت صرف اس صورت میں دی جا سکتی ہے، جبکہ طبیب اسے ناگزیر

قرار دے۔

۳۔سود کی رقم اگر معلوم ہو سکے تو بینک سے حاصل کر کے کسی محروم شخص کو دے دیجیے۔معلوم نہ ہو سکے تو توبہ کے ساتھ اللہ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ انفاق کیجیے۔امید ہے کہ اللہ آپ کو اپنی رحمت سے نوازیں گے۔

۴۔جس صورت کا آپ نے ذکر کیا ہے،اس میں گاؤں میں رہنا ضروری نہیں ہے۔آپ شہر میں قیام کر سکتے ہیں۔تاہم شہر میں رہتے ہوئے والدین کی جو خدمت آپ کے لیے ممکن ہو وہ ضرور کریں۔اس کے ساتھ ان سے یہ درخواست بھی کریں کہ وہ کبھی کبھی چند ہفتوں یا چند مہینوں کے لیے اپنی سہولت کے مطابق آپ کے پاس شہر آ جایا کریں۔اس سے آپ کی خواہش بھی پوری ہو جائے گی اور ان کو بھی اپنی مرضی کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کرنا پڑے گا۔

والسلام

جاوید احمد

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

محترم جناب مولانا جاوید احمد صاحب

السلام علیکم

جناب مجھے کچھ گلے شکوے ہیں جنھیں بذریعہ خط آپ کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں:

۱۔آپ نے ''اشراق'' دسمبر ۱۹۸۷ کی اشاعت میں یہ کہا ہے کہ علماے دین کے لیے مناسب نہیں ہے کہ حکمرانوں کے خلاف محاذ آرائی قائم کر کے ان کے خلاف بولیں۔حالانکہ اسی اشاعت میں آپ فرماتے ہیں کہ بدکردار خواہ حکمران ہو یا کوئی اور اس کے خلاف بولنا فرض ہے۔جناب مولانا صاحب میری بات سنیں بدکردار حکمرانوں کے خلاف بولنا جائز ہے۔اور اصول یہ ہے کہ جس فرد میں بھی برائی دیکھو،اس کے خلاف بولو ''امر بالمعروف'' علما کا فریضہ ہے۔ہر مسلم کا فریضہ ہے۔برائی کا استیصال کرنا بھی فریضہ ہے۔برائی کے خاتمہ اور روک کے لیے محاذ بنانا،جنگ کرنا،جہاد کرنا اور تنظیم سازی کرنا،سب جائز ہیں۔حکمرانوں کے عیوب کی نشان دہی کرنا اور ان سے کہنا کہ ان عیبوں سے پاک ہو جائیں،یہ علما کا فریضہ ہے۔حضرت عمر نے جب اسٹیج پر رونق افروز ہو کر مسلمانوں کے مجمع سے خطاب کرنا شروع کیا تھا تو ایک معمولی مسلمان دولت کے لحاظ سے کھڑا ہوا اور اس نے اعتراض کیا،کیا یہ آپ کو یاد نہیں؟ تاریخ کے اوراق آج بھی اس واقعہ کو صاف بتلا

رہے ہیں۔ ہمارے حکمران تو جائز حکمران ہی نہیں۔ نہ ہی ہماری حکومت جائز اور اسلامی طریقہ کی حکومت ہے۔

ہمیں تو غیر اسلامی نظامِ حکومت کے خلاف اٹھنا چاہیے تھا۔ اس کا جنازہ نکالنا چاہیے تھا۔ اگر ہم نہ اٹھے، تو خدا قیامت کے روز جواب طلبی کرے گا۔ ہمارے نہ اٹھنے کی وجہ سے تو نت نئی برائیاں ابھر رہی ہیں۔ اسلامی حکومت کے قیام کے لیے ہمیں اقدام کرنا چاہیے تھا۔ اسی مقصد کے لیے تو پاکستان بنا تھا اگر ہم ایسا کرتے تو اسلامی حکومت قائم ہوتی۔ ابوبکر و عمر جیسے حکمران آتے۔ مولانا صاحب ۱۹۴۷ء کی یادیں تازہ کروں: بھائی تھے ان کی آنکھیں تھیں اور ان کی آنکھوں کے سامنے جوان بہنیں تھیں، جن کی عصمتیں غنڈوں، ذلیلوں کے ہاتھوں لٹ رہی تھیں۔ کیا خون کے نذرانے، جائیدادوں کی ضبطی کے نقصانات اس لیے تھے کہ یہاں ظالم حکمران اور فاسق حکام آئیں۔ علامہ صاحب سنو، ہماری گردن کٹ جائے۔ سر اتر جائے۔ بازو ٹوٹ جائیں۔ ٹانگیں کٹ جائیں۔ ہاتھ توڑ دیے جائیں۔ بدن کی بوٹیاں کر دی جائیں۔ سولیوں پر لٹکا دیا جائے۔ جیلوں میں ٹھونس دیا جائے۔ گولیوں سے بھون دیا جائے۔ تلواروں سے چھلنی کر دیا جائے۔ تن تار تار ہو۔ لہو تن سے رواں ہو۔ اور یہاں تک کہ ہمارا گوشت نکال کر کتوں کے آگے ڈال دیا جائے۔ ہماری لاشیں گدھوں کے آگے ڈال دی جائیں۔ حمزہ و ابن زبیر کی طرح لاشوں کی رسوائی ہو جائے۔ مگر علامہ صاحب مظلوموں کو تڑپتا، ماں کو روتا، غریبوں کو سسکتا، غریب انسانوں کو معاش کی تنگی کے ہاتھوں مرتا ہم نہیں دیکھ سکتے، ہماری محنتوں کے سرمائے سے عیاش حکمران بدمعاش حکام عیش کریں۔ دولت اور وسائلِ دولت چند ہاتھوں میں سمٹ جائیں۔ حکومت جو عوام کا حق ہے اور برائے تحفظ و امنِ عوام ہے، اسے چند چالاک غنڈے اپنی ذاتی اغراض اور عیاشیوں کے ڈرامے رچانے کے لیے استعمال کریں۔ یہ ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ابھی یہ قوم خالد و طارق، غزالی و مودودی، مشرقی و بخاری (علامہ عنایت اللہ مشرقی، سید عطا اللہ شاہ بخاری) شورش و اقبال پیدا کرے گی۔ جناب مولانا صاحب، حق کے لیے جان کی بازی لگا دینا شیوۂ مومناں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ میں نے قبل ازیں آپ کو ایک خط بھیجا تھا، جس میں آپ کو اپنے گاؤں آنے اور تقریر کرنے کی دعوت دی تھی۔ آپ نے جواب نہیں لکھا۔ جواب ضرور لکھیں۔ وگرنہ میں خدا کی عدالت میں اپیل کروں گا۔ کیا تبلیغِ دین آپ کا فریضہ نہیں ہے؟ کیا ہم دیہاتیوں کو اپنے علمی کمالات سے مستفید کرنا آپ کا فریضہ نہیں ہے۔ اب اگر جواب نہ دیا تو پھر میں خدا کی عدالت میں رجوع کروں گا۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

والسلام

رعیت علی

قصور

۱۲جنوری ۱۹۸۸

محترمی رعیت علی صاحب

السلام علیکم

عنایت نامہ ملا۔اس سے پہلے آپ کا کوئی خط مجھے نہیں ملا، ورنہ میں جواب دینے میں کوتاہی نہ کرتا۔آپ نے میری جس تحریر پر اعتراض کیا ہے، میری گزارش ہے کہ اسے آپ ایک مرتبہ پھر پڑھ لیں۔اس میں وہ بات کہیں نہیں کہی گئی جو آپ نے اس سے سمجھی ہے۔میں نے اس میں صاف لکھا ہے کہ: ''اس سے یہ بات بے شک لازم آتی تھی کہ اپنی قوم کی سیاست سے ہم کسی حال میں بے تعلق نہ رہیں۔ ہمارے اربابِ اقتدار اگر دین سے انحراف کا طریقہ اختیار کریں تو ہم علانیہ حق کی شہادت دیں۔ان کے غلط اقدامات پر برملا تنقید کریں اور انھیں پوری دل سوزی کے ساتھ احکامِ خداوندی کے سامنے سر جھکانے کی تلقین کریں۔ یہ ہر صاحبِ ایمان کی ذمہ داری ہے اور ہم میں سے جو لوگ علم وتقویٰ کے لحاظ سے دوسروں سے ممتاز تھے، ان پر اس کا بار بھی یقیناً دوسروں سے زیادہ تھا۔''

رہا تقریر کے لیے آپ کی دعوت کا معاملہ، تو اس کے بارے میں عرض ہے کہ دین کا جو کام میں نے اپنی صلاحیت اور استعداد کے مطابق اپنے ذمہ لیا ہے، اس میں دوروں اور تبلیغی تقریروں کے لیے کوئی گنجایش افسوس ہے کہ پیدا نہیں کی جا سکتی۔اس کے لیے بہت سے دوسرے لوگ موجود ہیں، آپ انھیں دعوت دے سکتے ہیں۔آپ کے گاؤں میں آپ سے ملاقات کے لیے البتہ، اگر آپ پسند کریں تو کسی وقت حاضر ہو سکتا ہوں۔امید ہے کہ آپ میری معذرت قبول فرمائیں گے۔

خیر اندیش

جاوید احمد

---

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

محمد وسیم اختر مفتی

حیاتِ طیبہ کا صحیح مفہوم

قرآنِ مجید میں حیاتِ طیبہ کی ترکیب سورۂ نحل ۱۶ کی آیت ۹۷ میں آئی ہے۔ البتہ اردو میں اس کا استعمال بہت عام ہے اور بالعموم اس کا اطلاق انبیا و صلحا کی زندگی پر کیا جاتا ہے۔ ہمیں دیکھنا ہے کہ قرآنِ مجید میں مذکورہ مقام پر اس کا صحیح مفہوم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: 'مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ'۔

حضراتِ مترجمین نے اس سے کیا مراد لیا ہے؟

شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں: ''ہر کہ عمل نیک کرد، مرد باشد یا زن واو مسلمان است، ہر آئینہ زندہ کنمیش، بزندگانی پاک و بدہیم آں جماعہ را مزد ایشاں بحسب نیکوترین آنچہ می کردند''۔ حاشیے میں وہ لکھتے ہیں: ''یعنے در دنیا نعمت دہیم۔''

شاہ عبد القادر کا ترجمہ ہے: ''جس نے کیا نیک کام، مرد ہو یا عورت اور وہ یقین پر ہے تو اس کو ہم جلا دیں گے ایک اچھی زندگی اور بدلے میں دیں گے ان کو حق ان کا بہتر کاموں پر، جو کرتے تھے۔''

مولانا اشرف علی تھانوی کا ترجمہ یوں ہے: ''جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحبِ ایمان ہو تو ہم اس شخص کو بالطف زندگی دیں گے اور ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ان کا اجر دیں گے۔''

مولانا فتح محمد جالندھری ترجمہ کرتے ہیں: ''جو شخص نیک عمل کرے گا، مرد ہو یا عورت اور وہ مومن بھی ہوگا تو ہم اس کو (دنیا میں) پاک (اور آرام کی) زندگی سے زندہ رکھیں گے اور (آخرت) میں ان کے اعمال کا نہایت اچھا صلہ دیں گے۔''

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

مفسرین کرام کی وضاحت

مولانا شبیر احمد عثمانی حاشیے میں تحریر کرتے ہیں: ''ہم اس کو ضرور پاک، ستھری اور مزے دار زندگی عنایت کریں گے۔ مثلاً دنیا میں حلال روزی، قناعت وغنائے قلبی سکون وطمانیت، ذکر اللہ کی لذت، حبِ الٰہی کا مزہ، ادائے فرض عبودیت کی خوشی، کامیاب مستقبل کا تصور، تعلق مع اللہ کی حلاوت..... آخر انتہا اس حیاۃِ طیبہ پر ہوتی ہے جس سے متعلق کہا ہے: 'حياة بلا موت و غنى بلا فقر و صحة بلاسقم و ملك بلا هلك و سعادة بلا شقاوة '۔ (یہ عبارت تفسیرِ کبیر سے ماخوذ ہے اور اس کا مطلب ہے ایسی زندگی جس کے بعد موت نہ آئے گی اور ایسی دولت جس میں محتاجی نہ ہوگی اور ایسی تندرستی جو بیماری سے خالی ہوگی اور ایسی بادشاہی جس کو زوال نہ ہوگا اور ایسی خوش بختی جس میں بد نصیبی کا شائبہ نہ ہوگا۔)

مولانا مفتی محمد شفیع اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''جمہور مفسرین کے نزدیک یہاں حیاتِ طیبہ سے مراد دنیا کی پاکیزہ اور بالطف زندگی ہے اور بعض ائمۂ تفسیر نے اس سے آخرت کی زندگی مراد لی ہے..... مومن کا بھی یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ مجھے ہر تکلیف پر اجر مل رہا ہے اور آخرت میں اس کا بدلہ دائمی عظیم الشان نعمتوں کی صورت میں ملے گا، اور دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی، اس لیے یہاں کے رنج و راحت اور سرد وگرم سب کو آسانی سے برداشت کر لیتا ہے۔ اس کی زندگی ایسے حالات میں بھی مشوّش اور بے لطف نہیں ہوتی۔ یہی وہ حیاتِ طیبہ ہے جو مومن کو دنیا میں نقد ملتی ہے۔'' (معارف القرآن ج ۵، ص ۳۸۶-۳۸۷)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے ''اسے ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور (آخرت میں) ایسے لوگوں کو ان کے اجر ان کے بہترین اعمال کے مطابق بخشیں گے۔'' کا ترجمہ کر کے ''دنیا کی زندگی'' کے معنی کو راسخ کر دیا ہے، تفسیری حاشیے میں وہ لکھتے ہیں۔ اس آیت میں مسلم اور کافر دونوں ہی گروہوں کے ان تمام کم نظر اور بے صبر لوگوں کی غلط فہمی دور کی گئی ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ سچائی اور دیانت اور پرہیزگاری کی روش اختیار کرنے سے آدمی کی آخرت چاہے بن جاتی ہو مگر اس کی دنیا ضرور بگڑ جاتی ہے..... جو لوگ حقیقت میں ایمان دار اور پاک باز اور معاملہ کے کھرے ہوتے ہیں ان کی دنیوی زندگی بھی بے ایمان اور بد عمل لوگوں کے مقابلے میں صریحاً بہتر رہتی ہے..... وہ بوریا نشین ہو کر بھی قلب کے جس اطمینان اور ضمیر کی جس ٹھنڈک سے بہرہ مند ہوتے ہیں اس کا کوئی ادنیٰ سا حصہ بھی محلوں میں رہنے والے فساق وفجار نہیں پا سکتے۔ (تفہیم القرآن ج ۲، ص ۵۷۰)

مولانا امین احسن اصلاحی نے بھی ''پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے'' کے معنی لیے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: ''اچھی اور پاکیزہ زندگی بسر کرانے کا یہ وعدہ دین اور دنیا دونوں اعتبار سے ہے.....اہل ایمان ان امتحانات سے گزرنے کے بعد اپنے ایمان میں قوی سے قوی تر ہو جاتے ہیں۔ ان کی زندگی کی پاکیزگی اور ان کی طمانیت وسکینت میں روز افزوں اضافہ ہوتا ہے اور اگر اس راہ میں انھیں موت بھی پیش آتی ہے تو وہ اس کا خندہ جبینی سے خیر مقدم کرتے ہیں اہل ایمان کی اس روحانی بادشاہی کا اندازہ وہ لوگ نہیں کر سکتے جو ایمان کی قوت اور اس کی حوت سے نا آشنا ہیں۔'' (تدبر قرآن ج ۴، ص ۴۴۷)

ابتدائی مفسرین کی آرا اور تاویلات

ابن جریر طبری نے حیاۃ طیبہ کے معنی بیان کرتے ہوئے بہت سے اقوال نقل کیے ہیں: (۱) 'الرزق الحلال '۔ حضرت عبداللہ بن عباس اور ضحاک فرماتے ہیں۔ ''دنیا میں اچھا اور حلال رزق ملنا حیات طیبہ ہے۔'' (۲) 'القناعة '۔ یہ معنی حضرت علی اور حسن بصری (ایک رائے) سے منقول ہے۔ (۳) 'الحیاۃ الطیبه ': 'الحیاۃ مومناً باللّٰه عاملاً بطاعة '۔ (ایمان کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہوئے زندگی بسر کرنا حیاتِ طیبہ ہے۔) یہ ضحاک کا دوسرا قول ہے۔

(۴) 'السعادة 'یعنی خوش بختی یہ حضرت عبداللہ بن عباس کا دوسرا قول ہے۔

(۵) 'الحیاۃ فی الجنة ' یہ قول حسن بصری قتادہ مجاہد اور ابنِ زید کی طرف منسوب ہے۔ چنانچہ حسن بصری فرماتے ہیں: 'ماتطیب الحیاۃ لاحد الا فی الجنة '۔ (جنت کے سوا کسی آدمی کی زندگی خوش گوار ہو ہی نہیں سکتی)۔ قتادہ اور مجاہد بھی اسے آخرت کی زندگی قرار دیتے ہیں۔ ابن زید کہتے ہیں: 'الا تراہ یقول یالتینی قدمت لحیاتی قال ھذا آخرته و قرأ ایضا و ان الدار الاخرۃ لھی الحیوان قال الاخرۃ دار حیاۃ اھل النار واھل الجنة لیس فیھا موت لاحد الفریقین '۔ (کیا آپ غور نہیں کرتے کہ جہنمی کہے گا: ''اے کاش! میں نے اپنی حیاتِ جاودانی کے لیے کوئی عمل آگے بھیجا ہوتا۔) (الفجر ۸۹: ۲۴)

ابن زید کا کہنا ہے یہ حیات، آخرت کی زندگی ہے۔ انھوں نے یہ آیت بھی نذیر کے طور پر پیش کی ''بے شک آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے۔'' (العنکبوت ۲۹: ۶۴) پھر وہ کہتے ہیں آخرت ہی دوزخیوں اور جنتیوں کا زندگی بسر کرنے والا گھر ہے اس میں دونوں گروہوں میں سے کسی کو موت نہ آئے گی۔

خود طبری نے قناعت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے معنی کو ترجیح دی ہے۔ (جامع البیان فی تفسیر القرآن

محمد بن جریر الطبری۔ جزء ۱۴، ص ۱۱۴-۱۱۵)

قرطبی نے راویوں کے کچھ اضافوں کے ساتھ یہی اقوال درج کیے ہیں۔ سوائے قول نمبر ۴ کے۔ دو اقوال وہ مزید بیان کرتے ہیں۔ ایک ابوبکر الوراق کی جانب سے ’حلاوۃ الطاعۃ ‘۔ اللہ کی اطاعت کی مٹھاس۔ اور دوسرا امام جعفر صادق کی طرف سے ’المعرفہ باللّٰہ ‘ اللہ کی پہچان حاصل کر لینا۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ مخلوق سے بے نیازی اور اللہ کے فیصلوں پر راضی ہو جانا بھی اس کے معنوں میں شامل ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن۔ القرطبی الجزء العاشر ص ۱۷۴)

ابن کثیر نے: ’یحیہ اللّٰہ حیاۃ طیبۃ فی الدنیا ‘ (اللہ نیکوکار کو دنیا میں اچھی زندگی بسر کرائے گا۔) لکھ کر دنیوی زندگی کے معنی پر مہر ثبت کر دی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ’والحیاۃ الطیبۃ تشتمل وجوہ الراحۃ من ای جھۃ کانت۔ ‘ (حیاتِ طیبہ راحت و آرام کی تمام صورتوں کو اپنے اندر سموئے ہے وہ کسی طرح بھی حاصل ہوں۔) وہ دوسرے اقوال بیان کرنے کے بعد اپنے نقطۂ نظر کی تائید میں کچھ احادیث بھی لاتے ہیں۔ مسلم کی ایک حدیث درج کی جاتی ہے: ’عن انس بن مالك قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ”ان اللّٰہ لا یظلم المومن حسنۃ یعطی بھا فی الدنیا و یثاب علیھا فی الی الاخرۃ واما الکافر فیطعم بحسناتہ فی الدنیا حتی اذا افضی الی الاخرۃ لم تکن لہ حسنۃ یعطی بھا خیراً ‘۔ (کتاب صفات المنافقین واحکامھم حدیث ۵۶) (اللہ تعالیٰ مومن کی کسی نیکی کو رائیگاں نہیں جانے دیتا اسے دنیا میں صلہ دیا جاتا ہے اور آخرت میں ثواب۔ جو کافر ہے اس کی نیکیوں کے بدلے میں اسے دنیا ہی میں کھلا پلا دیا جاتا ہے جب آخرت تک پہنچتا ہے تو اس کی کوئی نیکی نہیں بچی ہوتی کہ اس کا بدلہ دیا جائے)۔ (تفسیر ابن کثیر الجزء الثانی، ص ۸۵۸)

زمخشری نے اس معنی کو بلاغت کی سند دے دی ہے۔ وہ تحریر کرتے ہیں: (حیاۃ طیبۃ) یعنی فی الدنیا وھو الظاھر لقولہ (ولنجزینھم)۔ وعدہ اللّٰہ ثواب الدنیا والاخرۃ کقولہ (فآتاھم اللّٰہ ثواب الدنیا وحسن ثواب الاخرۃ) وذلك ان المومن مع العمل الصالح موسرا کان او معسرا، یعیش عیشا طیبا۔ ان کان موسرا فلا مقال فیہ و ان کان معسرا فمعہ ما یطیب عیشہ وھوا القناعۃ والرضا بقسمۃ اللّٰہ۔

حیاتِ طیبہ سے مراد دنیا کی زندگی ہے۔ یہی اغلب ہے، کیونکہ بعد والا قول ’ولنجزینھم اجرھم باحسن ما کانوا یعملون ‘۔ اخروی زندگی کو ظاہر کر رہا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جس طرح سورۂ آلِ عمران کی آیت

۱۴۸ کہ ''اللہ نے ان کو دنیا میں بھی بدلہ دیا اور آخرت میں بھی بہت اچھا صلہ دے گا۔ اس کی وضاحت یوں ہے کہ نیک اعمال کر کے مومن، خوش حال ہو یا تنگ دست، طیب زندگی گزارتا ہے۔ اگر خوش حال ہے تو کسی سوال کی گنجایش نہیں۔ ہاں اگر تنگ دست ہے تو قناعت اور قسمتِ خداوندی پر راضی ہو جانا، ایسی دولت ہے جو اس کی زندگی کو خوش گوار بنا دیتی ہے۔ (الکشاف الجزء الثانی ص ۶۳۳)

امام رازی تفسیرِ کبیر میں تین اقوال نقل کرتے ہیں (۱) دنیا میں حاصل ہونے والی زندگی، (۲) قبر کی زندگی یہ سدی کا قول ہے۔ (۳) حیاۃِ طیبہ آخرت ہی میں حاصل ہو گی۔ حسن بصری اور سعید بن جبیر کے حوالے سے۔

پہلے قول پر اعتراض کرتے ہوئے وہ ایک سوال اٹھاتے ہیں: 'لا یبعد ان یکون المراد من علی الحیاۃ الطیبۃ ما یحصل فی الآخرۃ ، ثم انه مع ذلك وعدهم اللّٰه علی انه انما یجزیهم علی ما هو احسن اعمالهم فهذا لا امتناع فیه'۔ (یہ بعید نہیں کہ حیاۃِ طیبہ آخرت میں حاصل ہونے والی زندگی ہو، پھر آیت کے دوسرے ٹکڑے میں ساتھ ہی اللہ نے اچھے اعمال کا صلہ دینے کا وعدہ کیا ہو۔ دونوں ٹکڑوں کو آخرت سے متعلق ماننے میں کوئی رکاوٹ نہیں تیسرے قول کے آخر میں وہ کہتے ہیں۔ 'فثبت ان الحیاۃ الطیبة لیست الا تلك الحیاۃ'۔ (لازوال نعمتوں کے جنت میں ملنے کی بنا پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ حیات طیبہ جنت والی زندگی ہی ہو گی)۔ (تفسیر کبیر الجزء العشر وں، ص ۱۱۲-۱۱۳)

جمہور کے نقطۂ نظر کی توجیہ

ہم نے تفصیل کے ساتھ تمام آرا بیان کر دی ہیں ان سے جمہور کا نقطۂ نظر نمایاں طور پر سامنے آ جاتا ہے اور وہ وجوہ بھی معلوم ہو جاتی ہیں جن کی بنیاد پر انھوں نے یہ رائے اختیار کی۔ ان میں سے اہم ترین یہ ہیں:

۱۔ ابتدائی مفسرین کی اکثریت حیاۃِ طیبہ کو دنیا سے متعلق مانتی ہے۔

۲۔ جوابِ شرط کے دو حصے ہونے کی وجہ سے عطف میں مغایرت کا مفہوم سمجھ لیا گیا ہے چنانچہ دوسرے ٹکڑے 'ولنجزینهم اجرهم باحسن ما کانوا یعلمون' کے صریحاً آخرت سے متعلق ہونے کی بنا پر پہلے ٹکڑے 'فلنحیینه حیوۃ طیبة' کو دنیا سے متعلق مان لیا گیا ہے۔

۳۔ دنیوی زندگی پر ایمان و عمل صالح کے مثبت اثرات بتانے مقصود تھے۔

نظم قرآن کیا چاہتا ہے؟

اب ہم یہ واضح کریں گے کہ حیاۃِ طیبہ کو آخرت سے متعلق ماننا نظمِ قرآن کے زیادہ قریب ہے۔ قرآن کا عمومی اسلوب اس طرف اشارہ کرتا ہے اور اسے قرآن کی ایک اصطلاح قرار دیا جا سکتا ہے جو وہ اخروی زندگی

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

کا بیان کرتے ہوئے استعمال کرتا ہے۔سب سے بڑھ کر یہ کہ حیاۃِ طیبہ کا کامل مفہوم صرف آخرت کی زندگی ہی پر منطبق ہوسکتا ہے۔

قرآنِ مجید میں لفظ حیاۃ کا استعمال

اگرچہ قرآنِ مجید میں حیات کا لفظ دنیوی زندگی کے لیے اکثر اور زیادہ آیا ہے تاہم 'الحیاۃ الدنیا' کی ترکیب ہی استعمال ہوئی ہے۔اس صفت دناوۃ (قرب) کے بغیر اس کا ذکر ان جگہوں پر ہوا ہے، جہاں یہ موت کے مقابل میں ہے جیسے:'الذی خلق الموت والحیاۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا' (الملک ۶۷:۲) (وہی اللہ ہے جس نے موت اور زندگی کا نظام تخلیق کیا تاکہ جانچے تم میں سے کون بہتر عمل والا ہے)۔ 'ولتجدنهم احرص الناس علی حیوۃ'۔(البقرۃ ۲:۹۶) (تم یہود کو سب لوگوں سے بڑھ کر دنیوی زندگی کا حریص پاؤ گے۔) اور 'ولکم فی القصاص حیوۃ'۔(البقرۃ ۲:۱۷۹) (اور تمھارے لیے قصاص لینے ہی میں زندگی ہے۔)

ان مواقع پر حیات یا الحیاۃ سے دنیوی زندگی ہی مراد لی جاسکتی ہے کیونکہ فحوائے کلام بتاتا ہے کہ آخرت کی زندگی کا معنی لینا ممکن نہیں۔اس کے برعکس مجرد عن الصفہ اور بغیر کسی مقابل کے حیات کا لفظ ایک ہی جگہ پر آیا ہے اور وہاں اخروی زندگی مراد ہے۔

'یقول یلیتنی قدمت لحیاتی' (الفجر ۸۹:۲۴) (انسان کہے گا،اے کاش!میں نے اپنی حیاتِ جاودانی کے لیے کوئی عمل آگے بھیجا ہوتا)۔اگر علی الاطلاق لفظ حیات سے آخرت کی زندگی مراد لی جاسکتی ہے تو طیبہ کی صفت اس معنی کو مؤکد کر دیتی ہے۔یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو ترکیب قرآنِ حکیم میں ایک بار ہی آتی ہے،اسے قرآن کی اصطلاح کیونکر کہا جاسکتا ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اپنی مماثل اور متناقض تراکیب سے مل کر اصطلاح کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔قرآنِ مجید میں جنت کی زندگی کو بیان کرنے کے لیے مختلف نعمتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جو وہاں میسر ہوں گی۔دو مقامات پر 'عیشہ راضیہ' کی جامع ترکیب آئی ہے۔سورۂ حاقہ (۶۹) کی آیت ۲۱ اور ۲۲ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:'فھو فی عیشۃ راضیۃ.. فی جنۃ عالیۃ' (دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جانے والا من پسند زندگی گزارے گا یعنی عالی مقام جنت میں)۔سورۂ قارعہ کی آیت ۶ اور ۷ میں ہے:'فاما من ثقلت موازینه.. فھو فی عیشه راضیۃ' (پھر جس کے پلڑے بھاری ہوں گے وہ دل پسند عیش میں ہوگا)۔

پہلی مثال میں 'فی جنۃ عالیہ، عیشۃ راضیۃ' کا بدل بن کر آیا ہے۔یوں 'عیشۃ راضیۃ' کا

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

مطلب جنت کی زندگی ہی کہا جا سکتا ہے۔ 'حیوۃ طیبہ' اور 'عیشۃ راضیۃ' مترادف مرکبات کہے جا سکتے ہیں، الفاظ کا فرق ہے، مفہوم دونوں کا ایک ہے۔ اس طرح حیوۃِ طیبہ جنت کی زندگی کے لیے ایک اصطلاح بن جاتی ہے اور اخروی زندگی کا معنی معین ہو جاتا ہے۔

اب متضاد ترکیب کو دیکھتے ہیں۔ سورۂ طٰہٰ (۲۰) کی آیت ۱۲۴ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: 'ومن اعرض عن ذکری فان له معیشة ضنکا و نحشره یوم القیمة اعمی'۔ (اور جس نے میرے ذکر وحی سے منہ موڑا اس کے حصے میں تنگ زندگی آئے گی اور روزِ قیامت ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔) اگرچہ جمہور مفسرین نے، جن میں عبداللہ بن عباس، عکرمہ عطاء ضحاک، سعید بن جبیر اور قیس بن ابو حازم شامل ہیں، اس لفظ کو بھی دنیا سے متعلق مانا ہے اور 'وضربت علیهم الذلة والمسکنة'۔ (البقرۃ ۲:۶۱) (اور یہود پر ذلت و رسوائی اور محتاجی چمٹا دی گئی) کی نظیر پیش کی ہے۔ تاہم حسن بصری قتادہ ابن زید اور کلبی نے 'ضریع' (خاردار سوکھی گھاس)۔ (الغاشیہ ۸۸:۶) 'زقوم' (تھوہر) الواقعہ ۵۶:۵۲)، 'الحمیم' (کھولتا ہوا پانی)۔ (الحج ۲۲:۱۹) اور 'غسلین' (الحاقہ ۶۹:۳۶) کی مثالیں پیش کر کے کہا کہ دوزخ میں حاصل ہونے والے یہ عذاب بتاتے ہیں کہ 'معیشة ضنکا' دوزخ کی زندگی ہے۔ ابن زید کا کہنا ہے 'لیس فی القبر ولا فی الدنیا معیشة۔ ما المعیشة والحیاة الا فی الاخرة'۔ (قبر اور دنیا میں کوئی زندگی بسر نہیں کی جاتی۔ زندگی اور حیات تو صرف آخرت میں ہی ہوگی) (جامع البیان فی تفسیر القران۔ طبری جزء ۱۶۴ ص ۱۶۴) یہ بتانا ضروری ہے کہ علامہ آلوسی نے اس قول پر سخت تنقید کی ہے۔

اگر 'عیشة راضیة' اور 'معیشة ضنکا' کا تقابل کیا جائے تو الفاظ اور معنی کے اعتبار سے یہ ایک دوسرے کی ضد اور نقیضین معلوم ہوتے ہیں۔ جب 'عیشة راضیة' کا معنی بغیر کسی استثنا کے تمام مفسرین نے جنت کی زندگی کیا ہے تو 'معیشة ضنك' کا مطلب دوزخ کی زندگی لیا جا سکتا ہے۔ ہاں پہلے مرکب کے برعکس اس میں مفسرین کا اتفاق نہیں پایا جاتا۔

حیوۃِ طیبہ سے جنت کی زندگی مراد لینے والے اہل تاویل

اوپر ہم بیان کر چکے ہیں کہ حسن بصری کا قتادہ، مجاہد اور ابنِ زید جنت کی زندگی کا معنی مراد لیتے ہیں۔ امام رازی کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔ ان کا اقتباس جو مولانا شبیر احمد عثمانی کے حاشیۂ قرآن کے حوالے سے ہم نے نقل کیا ہے، اس سے پتا چلتا ہے کہ حیوۃِ طیبہ کی ترکیب، اپنے کامل معنوں کے ساتھ صرف جنت کی زندگی پر ہی منطبق ہوتی ہے۔ جو مفسرین کرام دنیوی زندگی کے معنی کو ترجیح دیتے ہیں، وہ بھی مانتے ہیں کہ حسن انجام

کے طور پر حاصل شدہ جنت کی نعمتیں، حیوۃِ طیبہ کا نقطۂ عروج ہوں گی اور اس کا حقیقی مصداق آخرت کی زندگی ہی ہے۔علامہ آلوسی ابتدا ہی یہ کہہ کر کرتے ہیں کہ 'المراد بالحیاۃ الطیبۃ التی تکون فی الجنۃ '۔ (حیات طیبہ سے مراد وہ زندگی ہے جو جنت میں میسر ہوگی۔) پھر وہ تمام تفسیری اقوال نقل کر کے ان کی تاویات پیش کرتے ہیں اور آخر میں لکھتے ہیں: 'نعم تفسیر الحیاۃ الطیبۃ بما یکون فی الجنۃ سالم عن ھذا القیل و القال '۔(اور ہاں اگر حیات طیبہ کی تفسیر جنت والی زندگی کر لی جائے تو اتنے قیل و قال کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔) (روح المعانی جز ء ۱۴ص ۲۲۸)

حرف واو کے استعمالات

یہ حرف عطف ہے۔مطعوف اور معطوف الیہ کو ایک ہی حکم میں شریک اور اکٹھا کر دیتا ہے جیسے قام زید وعمرو زید وعمر دونوں کھڑے ہوئے۔عام طور پر اس اشتراک وجمع میں ترتیب زمانی ملحوظ نہیں ہوتی۔نہ ہی مصاحبت (فعل کا صدور معاً ہونا) یا مہلت (کچھ دیر کے بعد فعل صادر ہونا) کا مفہوم مراد ہوتا ہے۔یہ مفردات کی طرح جملوں کو بھی ایک دوسرے پر عطف کر دیتا ہے۔معطوف مغایر بھی ہوسکتا ہے اور مترادف بھی۔جیسے 'انما اشکوا بثی و حزنی الی اللّٰہ '۔(یوسف ۱۲:۸۶) حضرت یعقوب نے کہا: میں تو اپنے غم واندوہ کا اظہار اللہ سے کرتا ہوں۔

اور 'لا تری فیھا عوجا و لا امتاً '، (سورۂ طٰہٰ ۲۰ آیت ۱۰۷) (تم زمین کوئی بل اور سلوٹ نہ دیکھو گے)۔میں معطوف اور معطوف الیہ ایک ہی معنی میں ہیں۔

کبھی ایک ہی بات کے مختلف پہلوؤں کو ایک دوسرے پر عطف کر دیا جاتا ہے اس کی دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔سورۂ نوح ۷۱ آیت ۲۸ میں ہے: 'رب اغفرلی ولوالدی ولمن دخل بیتی مومناً و للمومنین و المومنت '۔(میرے رب، مجھے اور میرے والدین کو اور ہر اس شخص کو جو میرے گھر میں مومن کی حیثیت سے داخل ہوا اور سب مومن مردوں اور عورتوں کو معاف فرما دے)۔پہلے کچھ مومنوں کا ذکر ہوا جو حضرت نوح کے گھر میں داخل ہوئے، پھر تمام مومنوں کو دعا میں شامل کر لیا گیا۔اسے عطف العام علی الخاص کہتے ہیں: سورۂ احزاب کی آیت ۷ میں فرمانِ الٰہی ہے: 'و اذ اخذنا من النبیین میثاقھم و منك و من نوح و ابراھیم و موسٰی بن مریم '۔(اور اے نبی یاد رکھو، اس عہد و پیمان کو جو ہم نے سب پیغمبروں سے لیا ہے، تم سے بھی اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے بھی۔) یہاں پہلے تمام انبیا کے میثاق کا تذکرہ ہوا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور چار دوسرے جلیل القدر نبیوں کے ذکر کو اس پر عطف کر

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

دیا۔ یہ عطف الخاص علی العام کی مثال ہے۔ کہنے کا مدعا یہ ہے کہ عطف مختلف اغراض کے لیے کیا جا سکتا ہے۔ محض دو جملوں کے ایک دوسرے پر عطف ہونے سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جائے گا کہ یہ دونوں مختلف اور مغایر چیزیں ہیں۔ حقیقت اس کے برعکس بھی ہو سکتی ہے۔ جیسے سورۂ نحل کی مذکورہ آیت میں 'فلنحیینہ حیوٰۃ طیبۃ' اور 'فلتجزینھم اجرھم باحسن ما کانوا یعملون' ایک ہی جنت کے دو بیان ہو سکتے ہیں۔

حرفِ آخر

انبیا کی زندگی کو ''حیوۃِ طیبہ'' قرار دینا اپنی جگہ پر بالکل صحیح ہے۔ اسی طرح ایمان و عملِ صالح کے مومنین کی زندگی پر بہت اچھے اور مثبت اثرات ہوتے ہیں۔ وہ صبر و قناعت اور یقین کی دولت سے مالا مال ہو جاتے ہیں۔ قرآن و حدیث ان نفوسِ قدسیہ کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ ہمارا مقصد ان میں سے کسی چیز کی نفی کرنا نہیں بلکہ ہم تو اللہ سے عاجزی کے ساتھ دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں بھی صالحین کے زمرہ میں شامل کر دے۔ ہمارے پیشِ نظر محض یہ تھا کہ سورۂ نحل میں حیاۃِ طیبہ کا جو مرکب آیا ہے، اس کا یہاں پر کیا معنی ہے۔ باقی اطلاقات اپنی جگہ پر حق اور سچ ہیں۔

---

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سلیم صافی

فوج کے نادان دوست

''اچھے بھلے محبّ وطن اور میاں نواز شریف کے مخالف آدمی تھے۔ خدا جانے اب تمھیں کس کی بدعا لگ گئی کہ جو فوج کے خلاف ہو گئے ہو۔ تم سے زیادہ کون جانتا ہے کہ ان سیاست دانوں نے ملک کو کس طرح لوٹا ہے۔'' یہ تھے الفاظ فوج کے زبردست حامی تصور کیے جانے والے میرے ایک قریبی دوست کے جو جمہوریت کے حق میں لکھنے کی وجہ سے مجھے روزانہ ڈانٹتے رہتے ہیں۔ میرا جواب تھا: ''میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، اس روز سے جب میں اس فوج کا مخالف ہو جاؤں جو میرے ملک کی سرحدوں کی حفاظت پر مامور ہو۔ جو وطن کی ماؤں اور بیٹیوں کی عصمتوں کی نگہبان ہو اور جو کشمیر کے مظلوموں کی امید کی آخری کرن ہو۔ میں فوج کا نہیں، فوجی حکومت کا مخالف ہوں اور میاں نواز شریف کا نہیں، جمہوریت کا حامی ہوں۔'' میں نے اپنے دوست کو سمجھانے کی کوشش کی۔ میں نے عرض کیا: ''آپ جیسے لوگ جو فوجی حکومت کے حامی ہیں، درحقیقت فوج کے مخالف ہیں۔'' میری اس بات سے میرے دوست ششدر رہ گئے اور میری اس منطق کی وجہ جاننا چاہی۔

''کسی بچے کا سب سے زیادہ خیر خواہ کون ہو سکتا ہے؟'' میں نے سوال کیا۔ ''ظاہر بات ہے کہ اس کے والدین''۔ میرے دوست کا جواب تھا۔ ''سکول جاتے ہوئے معصوم بچے کا اصل کام کیا ہوتا ہے؟'' میں نے پوچھا۔ ''یہی کہ وہ پڑھے لکھے اور مستقبل کو بہتر بنائے۔'' میرے دوست نے جواب دیا۔ ''لیکن اس عمر میں خود بچے کا دل کیا چاہتا ہے؟'' میں نے ایک اور سوال داغ دیا۔ ''یہی کہ وہ کھیلے کودے اور محنت سے بچے۔'' میرے دوست نے جواباً کہا۔ ''جب بچہ کھیل کود میں وقت گزارتا ہے تو اس جیسے اور آوارہ دوست جنھیں وہ اپنا خیر خواہ سمجھتا ہے، اسے کھیل کود ہی کی طرف مائل کرتے ہیں، جبکہ اس کے والدین سختی کر کے اسے پڑھائی جیسی محنت کی نصیحت کرتے رہتے ہیں۔ اس وقت معصوم بچہ والدین کو اپنا دشمن سمجھتا ہے اور دوستوں کو اپنا خیر خواہ، لیکن پتا ہے وقت گزرنے کے بعد وہ بچہ والدین کی سختی میں پوشیدہ حکمت سے آگاہ ہو جاتا ہے اور وہ دوست جن کی وجہ

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

سے وہ پڑھائی سے محروم رہا ہو، انھیں برا بھلا کہتا ہے۔ اب بتائیے وہ والدین جو بچے کی خواہش کے خلاف اسے پڑھائی کی نصیحت کرتے رہتے ہیں، کیا وہ بچے کے دشمن ہوتے ہیں؟'' میں نے فوجی حکومت کے حامی دوست سے پوچھا۔ ''نہیں، وہ اس کے خیر خواہ ہوتے ہیں''۔ ''حقیقت میں وہ کیا ہوتے ہیں؟'' میرا سوال تھا۔ ''اس کے دشمن۔'' میرے دوست نے جواب دیا۔ ''اسی اصول کو ذہن میں رکھ کر بتائیے کہ فوج کے دشمن آپ ہیں یا میں؟'' میں نے اپنے دوست سے پوچھا تو جواب دینے کے بجائے وہ خاموش ہو گئے اور پھر موقع پاتے ہی میں نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے عرض کیا: ''پاک فوج کا اصل کام سرحدوں کی حفاظت کرنا اور وطن کے لوگوں کی محبتوں کو سمیٹنا ہے۔ میں جب جمہوریت کی بحالی کا مطالبہ کر کے فوج سے بیرکوں میں واپس جانے کی درخواست کرتا ہوں تو اس کی بنیاد بھی فوج سے محبت ہی ہے۔ مجھ جیسے لوگ ان والدین کی مانند ہیں جو بچے کو اس کے اصل کام کی طرف مائل کرنا چاہتے ہیں جبکہ وہ لوگ جو فوج کو اقتدار میں رہنے اور سیاست دانوں کو پھانسی دینے کی طرف راغب کر کے ان کی توجہ ان کے اصل کام سے ہٹانا چاہتے ہیں، وہ دراصل فوج کے دشمن یا پھر اس کے نادان دوست ہیں۔''

ہمارے ہاں المیہ یہ ہے کہ کسی بھی گروہ کے حکومت میں آنے کے بعد عوام کی محبتوں کو سمیٹنا بہت مشکل ہوتا ہے، بلکہ عموماً اس معاملے میں نفرت ہی ملتی ہے۔ لوگ جس کو سلیوٹ کرتے ہیں، اسی کو گالیاں بھی دیتے ہیں۔ ہم لوگوں کی عادت بن گئی ہے کہ سیڑھی چڑھتے ہوئے اگر پاؤں میں موچ بھی آ جائے تو گالی حکمرانوں کو دیتے ہیں۔ جنرل پرویز مشرف کی حکومت بری ہے یا بھلی، لیکن اس بات میں شک کی کوئی گنجایش نہیں کہ فوج کے حکومت میں آنے کے بعد لوگوں کے دلوں میں فوج کے لیے محبت میں اضافہ نہیں ہو رہا بلکہ رفتہ رفتہ منفی جذبات پیدا ہو رہے ہیں۔ یقین نہ آئے تو دو واقعات ملاحظہ کر لیجیے اور پھر اندازہ لگا لیجیے کہ فوج کے اقتدار میں آ جانے کے بعد لوگوں کے خیالات اور جذبات میں کیا تبدیلی رونما ہو چکی ہے۔

یہ اگست ۱۹۹۹ کی بات ہے۔ میں اپنے دوست اعظم خان کے ہمراہ کاغان، ناران اور آزاد کشمیر کے علاقوں کی سیر کے لیے گیا ہوا تھا۔ ۱۴ اگست کو ہم عظیم مجاہد سید احمد شہید کے مدفن بالاکوٹ میں تھے۔ اس روز اسلام آباد میں سرکاری اعزازات کی تقسیم کی تقریب ہو رہی تھی، جسے ٹی وی پر براہ راست دکھایا جا رہا تھا۔ ہم ایک ہوٹل میں بیٹھ کر یہ تقریب دیکھ رہے تھے۔ ہمارے ساتھ بہت سے لوگ بھی موجود تھے۔ جب شہیدِ کارگل کیپٹن کرنل شیر کے والد کو نشانِ حیدر لینے کے لیے بلایا گیا تو میرے دوست اعظم خان جو کرنل شیر خان کے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

گاؤں نواں کلی میں پیدا ہوئے، فخریہ انداز میں کہنے لگے: ''دیکھو، ہمارے گاؤں کے شہید کو ایوارڈ مل رہا ہے۔'' اس پر ہوٹل کا ایک بیرہ جو بالاکوٹ کا رہنے والا تھا، برہم ہو کر کہنے لگا کہ کرنل شیر کسی ایک گاؤں کا نہیں بلکہ پورے پاکستان کا ہے۔ وہ ہم سب کا ہے۔ تم لوگ کیوں اس کو صوابی تک محدود کرنا چاہتے ہو۔'' بالاکوٹ کے جوان کے جذبات دیکھ کر میرے دوست اعظم خان نے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے فوراً معذرت کرتے ہوئے جواب دیا: ''ہاں ہاں! کرنل شیر پورے پاکستان کا ہے'' اور پھر وضاحت بھی کی کہ ان کی بات کا ہرگز یہ مطلب نہ تھا۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایک سال قبل فوج کے غازیوں اور شہیدوں سے لوگوں کی محبت کا کیا عالم تھا۔

اب ایک دوسرا واقعہ ملاحظہ کیجیے۔ یہ جون ۲۰۰۰ کی ایک گرم دوپہر تھی۔ میں پشاور میں اپنے دوست عطاالرحمان کو ملنے اس کے پرنٹنگ پریس کی طرف جا رہا تھا۔ اس وقت پشاور صدر سے تاجروں کا ایک جلوس گزر رہا تھا۔ جب میں عطاالرحمان کے پریس کی طرف جانے لگا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک تنگ گلی میں دو فوجی جوان تپتی دوپہر میں کھڑے ہیں جو ظاہر ہے خریداری کے لیے آئے ہوئے تھے۔ میں ان کو سلام کر کے عطاالرحمان کے پریس کی طرف چلا گیا اور پندرہ بیس منٹ گپ شپ کرنے کے بعد واپس جانے لگا۔ اس وقت میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ اتنا وقت گزر جانے کے باوجود دونوں فوجی بدستور وہیں کھڑے تھے۔ میں نے قریبی دکان داروں سے وجہ دریافت کی تو معلوم ہوا کہ وہ جلوس کی وجہ سے صدر روڈ کی طرف نکلنے سے گریز کر رہے ہیں، لیکن ستم بالائے ستم یہ کہ اس پورے وقت میں کسی بھی دکان دار نے انھیں اپنے پاس سائے میں بٹھانے کی زحمت گوارا نہیں کی۔

وہ لوگ جو فوج کو حکومت میں رہنے کا مشورہ دے رہے ہیں، وہ ان دونوں واقعات کو پیشِ نظر رکھ کر جواب دیں کہ وہ فوج کے دوست ہیں یا دشمن یا نادان دوست؟

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

—— جاوید

O

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اس پر ہوا ہے دہر میں اپنا سفر تمام
آشفتۂ فرنگ ہیں علم و ہنر تمام

عالم بھی تھا نگاہ میں ، لیکن زہے نصیب
اب اُن کی نذر کردیا ذوقِ نظر تمام

دیکھا ہے جب بھی حسن کو فطرت میں بے نقاب
زنداں لگے ہیں شہر کے دیوار و در تمام

اُس دن کی خیر جس میں بہ صد شوقِ آگہی
برپا ہوا یہ معرکۂ خیر و شر تمام

سنتے کہیں تو حسن و محبت کی داستاں
اِس شہر کے خطیب ہوئے نوحہ گر تمام

اپنے ہی سنگ وخشت سے ہر سُو اٹا ہوا
صدیوں سے دیکھتا ہوں تری رہ گزر تمام
بزمِ سخن میں تیرگی شب تھی روبرو
لایا ہوں اپنی خاک میں پنہاں شرر تمام

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org